انیلا کرن
READING
Section
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

انیلا کرن

کالج کے سامنے پہنچ کراس نے اپنی مخصوص جگہ پر کار روکی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے سیاہ رنگ کے آہنی گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ جو فی الحال تو مضبوطی سے بند تھا۔

اسے معلوم تھا کہ ابھی چند ہی لمحوں کے بعد یہ گیٹ کھل جائے گا۔ اس کی ٹائمنگ بڑی پرفیکٹ تھی۔ وہ ہمیشہ اس ٹائم پر گیٹ کے سامنے پہنچتا تھا۔ نہ کبھی دیر سے آیا تھا اور نہ ہی جلدی۔ وہ فطری طور پر

مکمل ناول

بے حد مستقل مزاج تھا۔ جو کام بھی کرتا تھا۔ پوری لگن اور دلجمعی کے ساتھ کرتا تھا۔ جیسے ان دنوں ہر روز اس لڑکی کے کالج تک آنے اور جانے کا کام کر رہا تھا۔

اسے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے چند ہی لمحے ہوئے تھے۔ جب چوکیدار نے گیٹ کھولا اور سفید یونیفارم میں ملبوس ڈھیروں لڑکیاں سیلابی ریلے کی طرح گیٹ سے باہر اُمڈتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ اس نے سن گلاسز اتار کر ہاتھ میں لے لیے اور پہلے سے زیادہ توجہ سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے اچھی طرح سے معلوم تھا کہ جس کا اسے انتظار ہے وہ رش کم ہونے کے بعد ہی اندر سے برآمد ہوگی۔ اور بالآخر پانچ منٹ کے بعد وہ اسے نظر آگئی۔ اس کے دکھائی دیتے ہی وہ باقی ہر طرف سے بے نیاز ہوگیا۔ اب اس کی توجہ کا مرکز صرف اور صرف وہی لڑکی تھی جس کی خاطر وہ گزشتہ کئی روز سے کالج کے گیٹ پر آکے کھڑا ہو رہا تھا وہ ہر روز کی طرح اکیلی سر جھکائے چلی آرہی تھی۔

سفید یونیفارم پہنے سر پر سفید ہی دوپٹا جمائے بائیں شانے پر سیاہ بیگ لٹکائے وہ سادگی میں بھی پرکاری کا نمونہ لگ رہی تھی۔ کتابی چہرے پر سجی بڑی بڑی ڈارک براؤن آنکھیں اور گھنی مڑی ہوئی سیاہ پلکیں اگر اسے حسین بناتی تھیں تو اس کی اٹھی ہوئی خوب صورت ناک اور دلکش کٹاؤ والے سرخ ہونٹ اس حسن کو مکمل کرتے تھے۔ اس کے دمکتے ہوئے سنہری رنگ میں ہلکی ہلکی سرخی کی جھلک ہر دیکھنے والی آنکھ کو خیرہ کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی تھی۔

ہر روز کی طرح غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ مضبوطی سے اسٹیرنگ پر جم گئے۔ اس لڑکی کا چہرہ اسے ہمیشہ ہی ایک دوسرے چہرے کی یاد دلایا کرتا تھا۔ وہ بہت توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا جب وہ لڑکی اس کی کار کے قریب سے گزری اس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا۔ مگر اس نے صاف محسوس کیا کہ اس کی کار کے قریب سے گزرتے ہوئے لڑکی نے کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھا ہے۔ وہ معنی خیز انداز سے مسکرانے لگا۔ اس کی اتنے دنوں کی محنت نے بالآخر رنگ لانا شروع کردیا تھا اور لڑکی اب اس پر زیادہ نہ سہی معمولی سی توجہ تو بہرحال دینے لگی تھی۔ ورنہ جب اس نے اس لڑکی کا پیچھا کرنا اور اس کی توجہ

حاصل کرنے کی کوشش کرنا شروع کیا تھا۔ تو وہ لڑکی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی بلکہ اسے کیا وہ تو کسی کو بھی توجہ نہیں دیتی تھی۔ وہ غالباً" ان لوگوں میں سے تھی۔ جو فطری طور پر ہی بے نیاز ہوتے ہیں۔ اور یہ شاید اس کی بے نیازی ہی تھی جس نے اس کے حسن کو اس قدر قاتل بنا دیا تھا۔

لڑکی کے قریب سے گزر جانے کے بعد وہ کچھ دیر تک یونہی ساکت بیٹھا رہا اور جب وہ موڑ مڑ کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے سن گلاسز آنکھوں پر لگا کر کار اسٹارٹ کی اور اس راستے پر ڈال دی۔ جس پر ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ لڑکی گئی تھی۔

لڑکی ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی۔ وہ چند ہی لمحوں میں اس کے قریب جا پہنچا اور اس کے قریب پہنچتے ہی اس نے حسب معمول کار کی رفتار بے حد آہستہ کر دی۔ اب کار تقریباً" رینگتے ہوئے پیدل جاتی ہوئی لڑکی کے بالکل برابر میں چل رہی تھی۔ یہ چونکہ کالونی کی ذیلی سڑک تھی۔ اس لیے اس پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر روز اتنی کم رفتار سے کار چلاتے ہوئے اسے کسی بھی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

لڑکی کا گھر زیادہ دور نہیں تھا زیادہ سے زیادہ دس منٹ کا پیدل راستہ تھا۔ شاید اسی لیے وہ پیدل کالج آیا جایا کرتی تھی۔ اور اس کا یوں پیدل آنا جانا کم از کم ولید کو اپنے لیے کسی نعمت سے کم نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ آنے جانے کے لیے کوئی سواری استعمال کرنے کی عادی ہوتی تو وہ کبھی بھی اسے اتنی آسانی سے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔ خیر جلدی متوجہ تو وہ اب بھی اس کی طرف نہیں ہوئی تھی۔

صبح و شام مسلسل اس لڑکی کا تعاقب کرتے ہوئے آج اس کا اٹھارواں دن تھا جب اس لڑکی نے اس پر ہلکی سی نظر ڈالی تھی۔ حالانکہ اپنے تعاقب سے وہ شروع میں ہی آگاہ ہو گئی تھی۔ مگر وہ بڑی مختلف لڑکی تھی۔ ہمہ وقت اپنے خیالوں میں کھوئی رہنے والی اور خاموش طبع سی۔ کم از کم ولید نے اپنی بائیس سالہ زندگی میں ایسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنی اب تک کی زندگی ملک سے باہر گزاری تھی۔

اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے اسے پتا بھی نہیں چلا اور دس منٹ کا راستہ طے ہو گیا۔ لڑکی کا گھر آچکا تھا۔ اپنے گھر کے گیٹ کی طرف مڑتے ہوئے اس نے اٹھارہ دنوں میں پہلی بار نظر بھر کر ولید کی طرف دیکھا۔ اس لمحے اگرچہ اس کا چہرہ سپاٹ ہی تھا مگر اس کی خوب صورت آنکھوں میں تیرتی ہوئی الجھن ولید کو فاصلے کے باوجود نظر آگئی۔ وہ قصداً" دلکشی سے مسکرایا اور زن سے کار آگے نکال کرلے گیا۔

شائستہ نے گہری سانس لے کر دور جاتی ہوئی اس قیمتی سفید کار کو دیکھا اور سر جھٹک کر بیل پر انگلی رکھ دی۔

"پتا نہیں کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔" اس نے زیر لب ایک ہی فقرے میں وہ دونوں سوال دہرائے جو وہ پچھلے اٹھارہ دن سے اپنے آپ سے کر رہی تھی اور جن کا ظاہر ہے کہ کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ اس کار والے لڑکے کو گزشتہ اٹھارہ دن سے اپنے تعاقب میں ہر روز دیکھ رہی تھی۔ مگر اٹھارہ روز پہلے تک اس نے بہرحال کبھی اس کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ ابتدا میں وہ اس سے خوفزدہ بھی ہوئی تھی مگر پھر جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ کار والا براؤن بالوں اور گوری رنگت والا لڑکا ہر روز اس کا تعاقب کرنے کے باوجود بے ضرر ہے اور ان آوارہ قسم کے لڑکوں سے بالکل مختلف ہے۔ جن کا کام ہی لڑکیوں کے کالجز کے اردگرد منڈلانا اور لڑکیوں کا پیچھا کرنا ہوتا ہے۔

"کون ہے؟" اندر سے بھابی کی آواز ابھری تو اس کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

"میں ہوں بھابی شائستہ!" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ گیٹ فوراً" ہی کھل گیا۔ اس نے اندر آکر بھابی کو سلام کیا اور ہر روز کی طرح لاؤنج میں چلی آئی جہاں اس کے دونوں بھتیجے اپنے کھلونے بکھیرے کھیلنے میں مصروف تھے۔ اسے دیکھتے ہی وہ دونوں دوڑتے ہوئے

اس کی طرف آئے تھے۔ شائستہ نے ہنستے ہوئے انہیں بازوؤں میں بھر لیا۔ اور ان کے گال چومنے لگی۔ بھابی پیچھے کھڑی ان تینوں کو دیکھتے ہوئے مسکراتی رہیں۔

"شائستہ! کھانا لگادوں۔" کچھ دیر کے بعد انہوں نے سوال کیا۔

"نہیں بھابی! ابھی نہیں تھوڑی دیر میں کھاؤں گی۔ آج کالج میں برگر کھالیا تھا۔"

چاکلیٹ کھول کر باری باری دونوں بھتیجوں کو پکڑاتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ تو وہ سرہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ شائستہ کچھ دیر بچوں کے پاس بیٹھی رہی۔ پھر اپنا بیگ اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

کمرے میں آتے ہی ایک بار پھر کار والا نوجوان اس کے اعصاب پر سوار ہو گیا۔ جس نے اسے شدید الجھن کا شکار کر رکھا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اس مسئلے کو کس طرح حل کرے۔ یا کس سے مدد مانگے والدین تو اس کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے بس دو بھائی تھے۔ جن میں سے بھی ایک کئی سالوں سے ملک سے باہر مقیم تھا۔ کوئی ایسی قریبی دوست بھی نہیں تھی۔ جس سے وہ اس بارے میں مشورہ کر سکتی ویسے بھی وہ فطرتاً" بہت محتاط اور لیے دیے رہنے والی لڑکی تھی۔ اس لیے چاہتی تھی کہ یہ الجھن کسی کے علم میں آئے بغیر خود بخود سلجھ جائے۔

لباس تبدیل کر کے وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے بالوں میں برش کرتے ہوئے بے اختیار ہی اس کے بارے میں سوچے جارہی تھی۔ پھر خود بخود ہی اس کا دھیان اس اجنبی سے ہٹ کر خود اپنی ذات کی جانب منتقل ہو گیا اور وہ بہت توجہ سے اپنے ایک ایک نقش کو دیکھنے لگی۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اس لڑکے کو مجھ سے محبت ہو گئی ہو۔ بے اختیار ہی ذہن میں سوال ابھرا اور ساتھ ہی اس کار والے لڑکے کی تصویر بھی روشن ہو گئی۔

شائستہ نے کبھی اسے توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ مگر اسے حیرت ہو رہی تھی کہ دو تین بار کی سرسری نظر ڈالنے کے باوجود وہ اس کے ایک ایک نقش کو تصور میں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی کشادہ سنہری آنکھیں پیشانی پر اکثر بکھرے رہنے والے براؤن بال اس کی کھڑی ناک گلابی ہونٹ اور کشادہ پیشانی۔ اسے سب کچھ یوں ازبر تھا جیسے وہ اسے اکثر دیکھتی رہتی ہو۔ اسے گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ اور دل یوں تیز تیز دھڑکنے لگا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ میں اس طرح سے کیوں سوچ رہی ہوں۔"

اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہی اس نے بے چارگی سے سوچا اور آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ مگر اس کے باوجود وہ ایک چور خیال اس کے ذہن کے کسی گوشے میں قبضہ جما چکا تھا بدستور اس کے ساتھ چپکا رہا۔

☼ ☼ ☼
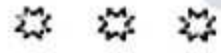
"کیا واقعی پیسہ ہی دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ دولت کے آگے خلوص محبت اور قربانی جیسے جذبات کوئی معنی نہیں رکھتے کیا واقعی روپیہ رشتوں کے بیچ بھی دیوار کھڑی کر سکتا ہے؟"

سڑکوں پر پچھلے پانچ گھنٹوں سے پھرتے ہوئے وہ بار بار ایسے ہی سوال خود سے کیے جا رہا تھا۔ اور ہر سوال کا جواب ہاں میں آرہا تھا مگر اسے پھر بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ صرف روپیہ انسان کو ہر چیز بھلا سکتا ہے۔ پیار

محبت ماں حتی کہ خون کے رشتے کو بھی ختم کر سکتا ہے۔

"آخر یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوا؟"

بائیں ہاتھ کا مکا دائیں ہتھیلی پر مارتے ہوئے اس نے بے بسی سے کہا اور سڑک کے کنارے لگے پتھر کے بنچ پر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر سے پھرتے پھرتے اس کے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے اور پورا جسم دکھنے لگا تھا۔ جوش کے عالم میں چلتے ہوئے تو اس نے محسوس نہیں کیا تھا۔ مگر اب بیٹھنے کے بعد یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی ہمت مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے۔ توانائی کا آخری ذخیرہ بھی جیسے اس کی آوارہ گردی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔ تھکے ہوئے انداز سے بنچ کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دل لہو لہو ہو رہا تھا۔ اور دماغ گویا سوچ سوچ کر شل ہو گیا تھا۔

ابھی چند گھنٹے پہلے تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ وہ ہر روز کی طرح مطمئن اور خوش باش آفس سے گھر آیا تھا اور کپڑے بدل کر کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ جب اسے محسوس ہوا کہ ہر روز فریش اور مطمئن نظر آنے والی ماں کے چہرے پر برسوں کی تھکن پھیلی ہوئی ہے۔ اور آنکھیں بھی سوجی ہوئی ہیں۔ وہ بے چین ہو گیا۔

"ماں کیا ہوا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

اس نے بہت تشویش سے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں تم کھانا کھاؤ۔" ماں کا انداز صاف ٹالنے والا تھا۔

"مگر ماں....." اس نے کہنا چاہا۔ مگر ماں نے ایک بار پھر ٹوک دیا۔

"کھانا تم کھانا کھاؤ۔ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ شاباش کھانا کھاؤ میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ کھانے کے بعد چائے پینے کا عادی تھا اور روزانہ ماں ہی اسے چائے بنا کر دیا کرتی تھیں۔ مگر آج نہ جانے اسے کیوں لگا کہ ماں نے اس کے سامنے سے ہٹنے کے لیے بہانہ بنایا ہے۔ وہ بے دلی سے کھانا کھانے لگا ساتھ ہی اس کا ذہن ان تمام چیزوں کے بارے میں سوچنے میں مصروف تھا۔ جو ماں کی پریشانی کا باعث بن سکتی تھیں۔

"گڑیا یا عاطف کی فیس؟ نہیں وہ تو جمع ہو چکی ماں کی دوائیاں؟ وہ ابھی میں پرسوں ہی لایا ہوں۔ بجلی اور گیس کا بل؟ ہمیشہ کی طرح چار تاریخ کو ہی ادا کر دیا تھا۔" وہ سوچ کے گھوڑے دوڑاتا رہا اور خود ہی اپنے آپ کو مطمئن بھی کرتا رہا۔ حتی کہ ماں چائے کا مگ لے کر آگئیں۔ اس نے بہت غور سے ماں کے چہرے کی جانب دیکھا۔ ماں کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ یقیناً کچن میں روتی رہی تھیں۔ وہ بے چین ہو گیا۔

"جب تک آپ مجھے اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتائیں گی میں چائے نہیں پیوں گا۔"

ان کے ہاتھ سے مگ لینے کی بجائے وہ نروٹھے پن سے بولا تھا۔ ماں کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور آنسو گالوں پر بہنے لگے۔

"ماں میری پیاری ماں۔" وہ بے قرار ہو کر اٹھا اور ایک ہاتھ سے ماں کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیتے ہوئے دوسرا بازو ماں کے کندھے پر پھیلا دیا۔ ماں کے آنسو روانی سے بہنے لگے۔ وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔ مگر اس نے ماں کو چپ کروانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایسی کوشش کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا آخر تھوڑی دیر رونے کے بعد ماں خود ہی چپ ہو گئیں اور اپنے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگیں۔

"آج محمود بھائی اور بھابی آئے تھے۔ انہوں نے ....." ماں بات ادھوری چھوڑ کر اس کے چہرے کی جانب دیکھنے لگیں کاشف کو لگا کہ ماں کی آنکھوں میں دوبارہ سے پانی جمع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ تو وہ بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"انہوں نے کیا ماں؟"

"انہوں نے آمنہ کے ساتھ تمہاری منگنی توڑ دی ہے۔"

ماں نے جیسے کوئی دھماکہ کیا تھا۔ چائے کا مگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماں کو دیکھے گیا۔ اسے احساس تک نہیں ہوا تھا کہ گرم چائے نے اس کے دونوں پاؤں جلا دیے تھے۔

"وہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو بھوکوں مرنے کے لیے ہمارے گھر نہیں بھیج سکتے۔"

ماں بتا رہی تھیں مگر اسے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے اور دماغ میں ایک ہی فقرہ گونج رہا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

آمنہ اس کے اکلوتے ماموں کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اور بچپن ہی سے اس سے منسوب تھی۔ کاشف نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اس نے آمنہ کا نام اپنے نام سے جڑے دیکھا تھا۔ اس لیے وہ قدرتی طور پر اس سے لگاؤ محسوس کرنے لگا۔ پھر یہ لگاؤ بڑھتے بڑھتے کب شدید محبت میں تبدیل ہوا اسے پتا ہی نہیں چلا اس کی ہر سوچ آمنہ سے شروع ہو کر آمنہ پر ہی ختم ہونے لگی تھی۔ آمنہ تھی بھی تو بہت پیاری اور چنچل سی۔ جس محفل میں بھی جاتی چھا جایا کرتی تھی۔ اپنے لیے کاشف کی فیلنگز سے وہ بخوبی آگاہ تھی اور خود بھی اس کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی مگر وہ بہرحال فطرتاً "لاپروا" تھی۔ جبکہ کاشف بے حد حساس فطرت کا مالک تھا۔ وہ ہر جذبے اور ہر رویے کو بڑی شدت سے محسوس کرنے کا عادی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب دو سال پہلے اس کے والد کا اچانک انتقال ہوا تو اس نے اپنا ایم ایس سی ادھورا چھوڑ کر ملازمت شروع کر دی اور گھر کی تمام ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر سنبھال لیں۔ اپنے بابا کی زندگی میں بھی وہ زیادہ خوشحال نہیں تھے مگر پھر بھی گزارا ٹھیک ٹھاک ہو جایا کرتا تھا۔ پھر کاشف پڑھائی میں بہت اچھا تھا اور اسی وجہ سے اس کے بارے میں گمان کیا جاتا تھا کہ اس کا مستقبل بہت روشن ہو گا۔ اس لیے ماموں جان کی فیملی نے نسبتاً "خوشحال ہو جانے کے بعد بھی ان کا رشتہ برقرار رکھا تھا۔ مگر اب حالات بدل گئے تھے۔ کاشف کے کندھوں پر پورے گھر کی ذمہ داریاں تھیں اور اس کی ترقی کا بھی کوئی خاص چانس نہیں تھا۔ ایسے میں ماموں کو یہی مناسب لگا تھا کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کا رشتہ اس سے ختم کر کے کسی امیر گھر میں کر دیں۔

"بیٹا! تم اس بات کو دل پر نہ لینا۔ تم دیکھنا میں تمہارے لیے آمنہ سے اچھی لڑکی ڈھونڈوں گی۔"

اسے گم صم کھڑے دیکھ کر ماں نے وہی روایتی ماؤں والا لالچ دیا تھا۔ اس نے خالی خالی نظروں سے ماں کی جانب دیکھا اور بغیر ایک لفظ بولے گھر سے باہر نکل آیا تھا اور تب سے سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہوئے مسلسل اپنے ساتھ ہونے والے اتنے بڑے المیے کو ہی سوچے جا رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا سارا وجود شکست خوردہ ہو چکا ہو اور جیسے وہ اب کبھی بھی سر اٹھا کر جینے کے قابل نہ ہو سکے گا۔

☼ ☼ ☼

"شائنہ! بڑے بھیا کا فون ہے۔"

رات کو وہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی جب چھوٹے بھیا نے لابی سے پکارا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر تیزی سے لابی کی جانب لپکی۔ بڑے بھیا سے اسے یوں بھی بڑی انسیت تھی۔ وہ لاس اینجلس میں رہتے تھے اور شائنہ کا ان سے رابطہ فون یا نیٹ کے ذریعے ہی ہو پاتا تھا مگر وہ پھر بھی اپنی چھوٹی سی چھوٹی بات ان ہی کو جتایا کرتی تھی۔ اس وقت بھی چھوٹے بھیا سے ریسیور لے کر وہ لابی میں پڑی کرسی پر بیٹھتے ہی شروع ہو چکی تھی اور اپنے کالج، سہیلیوں اور گھر کی ایک ایک بات بڑے بھیا کے گوش گزار کر رہی تھی۔

"بس کرو گڑیا! آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تمہیں بولتے ہوئے۔" اسے مسلسل بولتے دیکھ کر قریب بیٹھ کر اخبار پڑھتے چھوٹے بھیا نے ٹوکا تھا۔ شائنہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور بڑے بھیا سے مخاطب ہو کر بولی۔

"اچھا بڑے بھیا! باقی باتیں اگلی دفعہ کریں گے۔"

"کیوں ابھی کیا ہوا؟" وہ کچھ چونک کر بولے تھے۔

"ہونا کیا ہے۔ مسلسل میں ہی بولتی رہتی ہوں۔ آپ تو بس ہوں ہاں ہی کرتے رہتے ہیں۔" اسے ہمیشہ ہی ان کی کم گوئی سے شکایت رہتی تھی۔

"میں دراصل اپنی گڑیا کی میٹھی میٹھی آواز سننا چاہتا ہوں اسی لیے تو کم بولتا ہوں۔" انہوں نے اسے بہلایا تھا۔

"تو آپ پاکستان کیوں نہیں آجاتے۔ کتنا اچھا لگے گا ہم سب ساتھ میں رہیں گے۔" اس نے بہت حسرت سے کہا تھا۔ دوسری طرف چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر بھیا بولے تو شائنہ کو ان کی آواز بہت تھکی تھکی سی لگی۔

"تمہیں کیا پتا گڑیا! میرا کتنا دل چاہتا ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ رہنے کو۔" انہوں نے گہری سانس لی

"مگر بیٹا! یہ جو پردیس ہے نا دلدل کی طرح ہوتا ہے ایک بار کوئی مسافر اس دلدل میں پیر رکھ دے تو یہ اسے اندر ہی اندر کھینچنے لگتی ہے۔ پھر مسافر لاکھ ہاتھ پاؤں مارے اسے باہر نکلنے کا لوٹ کے واپس گھر جانے کا راستہ نہیں ملتا۔"

ان کے لہجے میں اتنی حسرت اور تھکن تھی کہ شائنہ گم صم ہو کر رہ گئی۔ چاہنے کے باوجود اس کے لبوں سے کوئی تسلی آمیز فقرہ نہیں نکل سکا۔ چند لمحے دونوں جانب خاموشی طاری رہی پھر بڑے بھیا نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"تم بتاؤ! کوئی بات رہ تو نہیں گئی؟" اس بار ان کے لہجے میں بشاشت تھی۔ جو اگرچہ شائنہ کو مصنوعی لگی تھی۔ مگر پھر بھی وہ خوش ہو گئی وہ بڑے بھیا کو ہمیشہ بہت خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے ہمیشہ ہی ان سے بات کر کے ان سے مل کر یوں لگتا تھا کہ جیسے انہوں نے کوئی بن باس لے رکھا ہو۔

"نہیں بھیا! بس اپنا خیال رکھیے گا۔" اس نے ہمیشہ والی محبت سے کہا اور فون بند کر دیا۔

پلٹ کر کچن میں آتے ہوئے اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس نے بڑے بھیا کو اپنا تعاقب کرنے والے لڑکے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور یہ کم از کم اس کے ساتھ پہلی بار ہو رہا تھا۔ کہ اس نے بڑے بھیا سے کوئی بات چھپائی تھی۔ ورنہ آج سے پہلے وہ چھوٹی سی چھوٹی بات بھی ان کے گوش گزار کرنے کی عادی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلے چار دن اس نے گم صم رہ کر گزارے۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا دماغ بالکل خالی ہو گیا ہو۔ بلکہ دماغ ہی کیا اس کی تو زندگی ہی خالی ہو گئی تھی۔ پہلے دن رات اسے آمنہ کا خیال رہتا تھا۔ وہ اس کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ساتھ پانے کے خواب سوتے میں بھی اور جاگتے میں بھی ہر وقت اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اور اب آمنہ اس کی زندگی سے کیا نکلی اسے لگا کہ اس کا سب کچھ ہی ختم ہو گیا ہے۔ چار دن سے نہ وہ آفس گیا تھا اور نہ ہی گھر کے کسی فرد سے بات کی تھی۔

"کاشف! ایسا کب تک چلے گا بیٹا؟" چار دن کے بعد ماں کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ ماں کی بات کا جواب دیے بغیر ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھتا رہا۔ اس کا یہ حسرت بھرا انداز ماں کو رلا گیا۔

"اس طرح خود کو برباد مت کرو! میرے بچے! زندگی میں بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ تم تو پہلی ہی چوٹ پر ہمت ہار گئے ہو۔" ماں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

وہ اس بار بھی کچھ نہیں بولا بلکہ بعد میں بھی ماں دیر تک اس کے پاس بیٹھی اکیلی ہی بولتی رہیں۔ اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ آخر تھک ہار کر وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"ماں ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھے ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ کچھ تو کرنا ہو گا۔ میں آمنہ کو ایسے کس طرح چھوڑ سکتا ہوں؟"

ماں کے باہر جانے کے بعد اس نے اپنے آپ سے کہا اور پھر ایک فیصلہ کر کے گھر سے باہر نکل آیا۔ اس کا رخ پی سی او کی جانب تھا۔ ماموں کے گھر کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے وہ دعا کر رہا تھا کہ فون آمنہ ہی ریسیو کرے اور اس کی کم از کم یہ دعا قبول ہو گئی تھی۔ فون آمنہ نے ہی ریسیو کیا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

"آمنہ! کچھ کہو نا تم چپ کیوں ہو؟" وہ بے چین ہو گیا۔

"کیا کہوں؟" اس کا انداز بے تاثر تھا۔

"آمنہ! ماموں نے ہماری منگنی توڑ دی ہے۔ آمنہ وہ ہمیں ایک دوسرے سے الگ کر دینا چاہتے ہیں۔" وہ ننھے بچوں کی طرح شکایتی انداز سے کہہ رہا تھا۔

"کاشف! یہ بڑوں کے معاملات ہیں ہمیں ان میں دخل نہیں دینا چاہیے۔" وہ بہت سنجیدگی سے بولی تھی کاشف کو یوں لگا کہ جیسے اس کے قریب کوئی بم پھٹا ہو۔ اسے آمنہ سے اس درجے بے گانگی کی امید نہیں تھی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس جتنی نہ سہی مگر آمنہ اس سے محبت بہرحال ضرور کرتی ہے۔

"آمنہ تم..." اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

"دیکھو کاشف! میرے ماں باپ نے اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ میری منگنی کی تھی اور اپنی مرضی سے ہی اس منگنی کو توڑا ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی اس لیے براہِ مہربانی آئندہ مجھے فون نہ کرنا۔ تمہیں جو بھی بات کرنی ہے۔ ابو جان سے کرو۔"

پہلے سے بھی زیادہ روکھے لہجے میں کہہ کر آمنہ نے فون بند کر دیا۔ وہ کتنی ہی دیر تک ریسیور ہاتھ میں لیے ساکت کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ پی سی او کے مالک نے بوتھ میں آکر اس کا کندھا ہلایا اور اسے ریسیور رکھنے کو کہا۔ اس نے خالی خالی نظروں سے پی سی او کے مالک کی جانب دیکھا۔ ریسیور کو کریڈل پر رکھا اور رقم کی ادائیگی کر کے بے جان قدموں سے باہر نکل آیا۔ چار دن کے بعد ایک بار پھر اس کی دنیا میں زلزلہ آیا تھا۔ دنیا جو پہلے ہی تباہ شدہ حالت میں تھی اس نئے زلزلے کے بعد تو جیسے ملبہ ہی بن گئی تھی۔ کیونکہ یہ زلزلہ پچھلے زلزلے سے کہیں شدید تھا۔ پہلے تو اسے یہ خبر سنائی گئی تھی کہ اسے اپنی محبوبہ کا ساتھ نہیں مل سکتا۔ مگر آج تو اسے یہ جتا دیا گیا تھا کہ جس لڑکی کو وہ ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک دیوانوں کی طرح چاہتا آیا تھا۔ وہ اپنے دل میں اس کے لیے ذرہ برابر بھی جگہ نہیں رکھتی تھی۔ وہ تھک ہار کر سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔ آج اس میں

اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ سڑکوں پر آوارہ گردی ہی کر سکتا۔

☼ ☼ ☼

وہ بھابی کے ساتھ شاپنگ کے لیے بازار آئی تھی۔ اس کا چھوٹا بھتیجا ریحان بھی ساتھ تھا۔ ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں گھستے ہی ریحان نے ایروپلین لینے کے لیے ضد شروع کر دی تو بھابی کے کہنے پر وہ اسے کھلونوں والے ریکس کی طرف لے آئی۔ ریحان تو وہاں آتے ہی مختلف کھلونے دیکھنے میں مگن ہو گیا جبکہ وہ وقت گزاری کے لیے ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی۔

اسٹور میں اس وقت کافی رش تھا۔ بھانت بھانت کے بے شمار لوگ خریداری میں مصروف تھے۔ وہ دلچسپی سے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ جب اس کی نظر ایک جانے پہچانے چہرے پر پڑی۔ وہ اس سے محض چند گز کے فاصلے پر تھا اور اسی لمحے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جب شائنہ نے اسے دیکھا اور نہ جانے کیوں اس سے نظریں ملتے ہی وہ پہلے بڑے دلکش انداز سے مسکرایا۔ پھر مضبوطی سے قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔ جو حیرت سے منہ کھولے ان کی طرف دیکھتی ہوئی ایک دم ہونق لگ رہی تھی۔

"ہیلو۔" اس کے قریب آکر وہ بڑے دوستانہ انداز سے بولا تھا۔ شائنہ بالکل ہی بدحواس ہو گئی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کہ وہ جو اتنے دن تک مسلسل اس کا تعاقب کرتے رہنے کے باوجود کبھی اس سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔ آج یوں اسے سینکڑوں لوگوں کے بیچ مخاطب کر بیٹھے گا۔

"آ... آپ یہاں؟" اس نے اپنے خشک حلق سے بمشکل آواز برآمد کی تھی۔ سامنے والے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"کیوں میں یہاں نہیں آسکتا؟" بڑے اطمینان سے کہہ کر وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اس کے گھبرائے ہوئے چہرے کو بڑی دلچسپی سے دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا اور نہ جانے کیوں شائنہ کو اس کی سنہری آنکھوں میں اپنے لیے بلا کی اپنائیت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ جو اس کی سراسیمگی میں اضافہ کر رہی تھی۔

"مم... میرا یہ مطلب نہیں تھا؟" وہ گڑبڑائی۔

"تو پھر کیا مطلب تھا آپ کا؟" وہ بہت توجہ سے اس کے حسین چہرے کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس کے یوں بات سے بات نکالنے پر شائنہ کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا اور اس نے کچھ کہنے کی بجائے تیزی سے آگے بڑھ کر کھلونوں میں گم ریحان کا بازو پکڑا اور اس کے احتجاج کو نظر انداز کرتی ہوئی اسے تقریباً" کھینچتے ہوئے اس طرف چلی گئی جہاں بھابی روزمرہ استعمال کی اشیا خریدنے میں مصروف تھیں۔

اس کے یوں تیزی سے جانے پر ولید کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا دور جاتی ہوئی شائنہ کو تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ ایک موڑ مڑ کر اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

"بھاگ لو' جتنا بھاگنا چاہو بھاگ لو۔ ایک نہ ایک دن تو تمہیں میری طرف آنا ہی ہو گا۔"

اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ زیر لب بڑبڑایا اور پلٹ کر اسٹور کے بیرونی دروازے کی طرف جانے لگا ایک دم ہی اس کے چہرے پر پتھروں جیسی سنجیدگی چھا گئی تھی اور آنکھوں میں بڑا عجیب سا تاثر اتر آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو سلمٰی! تم میری بہن ہو۔ میرے دل میں تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے بہت جگہ ہے۔ مگر میں تمہاری خاطر اپنی اولاد کو نظر انداز تو نہیں کر سکتا نا۔ آمنہ میری اکلوتی بیٹی ہے اور ہر باپ کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ میری بیٹی آرام و آسائش کی زندگی گزارے۔ اسے چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے ترسنا نہ پڑے۔ جو کم از کم کاشف کے ساتھ اس کی شادی ہونے کی صورت میں کبھی پوری نہیں ہو سکتی

تھی۔ اس لیے مجھے مجبوراً کاشف سے اس کی منگنی توڑنا پڑی۔"

اگلی شام کو وہ گھر پر ہی تھا جب ماموں اور ممانی آمنہ کی شادی کا کارڈ لے کر آئے تھے اور اس کی ماں کے سامنے اپنے فیصلے کو درست قرار دینے کے لیے بودی دلیلوں کا سہارا لے رہے تھے۔ ماں بالکل چپ چاپ بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ کیونکہ عمر اور تجربے نے انہیں بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ جتنی چاہے دلیلیں دے دیں جیسے چاہے وعدے کریں ان کا بھائی کبھی بھی اپنی بیٹی کو ان کی بہو نہیں بنائے گا۔

"اب دیکھو نا! جہاں آمنہ کی شادی ہو رہی ہے۔ لڑکے کا اپنا کاروبار ہے۔ بنگلہ ہے کار ہے۔ بہت پیسے والے لوگ ہیں۔"

ماموں اب آمنہ کے سسرال والوں کی خوبیاں گنوا رہے تھے دیوار کے پار دوسرے کمرے میں پاگلوں کی طرح اس دیوار سے اس دیوار تک چکر لگاتا کاشف یکدم ہی رک گیا۔

"بنگلہ اور کار بینک بیلنس تو اس لیے آمنہ نے مجھ سے کل سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔" وہ بہت تلخی سے بڑبڑایا تھا۔

"یہی سب چاہیے اب مجھے بھی۔ خواہ کہیں سے بھی ملے۔ کسی طرح بھی ملے۔" دائیں ہاتھ کا مکا بائیں ہتھیلی پر مارتے ہوئے اس نے بے حد عزم اور جنون سے سوچا تھا۔

ماموں اور ممانی کے چلے جانے تک وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا تو ان لوگوں کے جانے کے بعد ماں خود اس کے کمرے میں چلی آئیں پچھلے کئی روز کی طرح اس وقت بھی ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"میرے لیے رو رہی ہیں تو مت روئیں ماں! اب آپ مجھے کبھی بکھرا ہوا نہیں دیکھیں گی۔ اب میں بہت مضبوط بنوں گا ماں۔ بہت مضبوط میں اس دنیا کو اپنے قدموں تلے روند ڈالوں گا ماں... میں روند ڈالوں گا۔"

اس کے لہجے میں آنچ بھی تھی اور کچھ ایسا عجیب تاثر بھی جس نے روتی ہوئی ماں کے آنسو منجمد کر دیے۔

"کاشف!" ان کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔

"تو کیا کرنا چاہتا ہے بیٹے؟"

"ماں!" وہ قریب چلا آیا اور اپنے بازو ماں کے گرد لپیٹ کر بہت نرمی سے بولا۔ "پریشان نہیں ہونا ماں۔ میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ جو میرے گھر والوں کے لیے کسی بھی طرح کی تکلیف کا باعث بنے۔ پریشان نہیں ہونا۔"

وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہا تھا مگر نہ جانے کیوں ماں کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بے نام اور انجانے خدشات اپنی جگہ بنا چکے تھے۔ جو خود بخود دور ہونے والے نہیں تھے۔

☼ ☼ ☼

شائنہ کا خیال تھا کہ بازار میں ہونے والی اس مختصر سی ملاقات کے بعد وہ لڑکا اس سے راستے میں مخاطب ہونے کی کوشش ضرور کرے گا اور اسی وجہ سے وہ تھوڑا سا خائف بھی تھی۔ مگر اگلے چار روز میں ہی اس کی پریشانی دور ہو گئی۔ کیونکہ اس لڑکے کا رویہ بالکل پہلے جیسا ہی تھا۔ وہ اب بھی بڑی باقاعدگی کے ساتھ اس کا پیچھا کرتا تھا۔ مگر اسے مخاطب کرنے یا اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا تھا۔

اس روز مطلع قدرے ابر آلود تھا۔ چھٹی کے وقت وہ کالج سے نکلی تو گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ابھی وہ اپنی کالونی کے ذیلی سڑک پر مڑی ہی تھی۔ جب اچانک بادل زور سے گرجے اور زوردار بارش شروع ہو گئی۔ بے حد پریشانی کے عالم میں اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ سڑک تقریباً" خالی تھی۔ سوائے اس کار کے جو اس کے پیچھے پیچھے بہت ہلکی رفتار سے آ رہی تھی۔ اس نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ مگر بارش اتنی تیز تھی کہ چند قدم چلنے کے بعد ہی وہ پوری طرح سے پانی میں شرابور ہو گئی تھی۔ ہوا الگ اس کے لباس کو

پھڑپھڑانے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ سخت بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ جب اچانک ہی پیچھے آتی ہوئی کار تیزی سے تھوڑا آگے گئی اور رک گئی۔ پھر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھلا اور کسی نے بہت شائستگی سے کہا۔

"آیئے مس! میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" شائنہ نے ٹھٹک کر اس کی جانب دیکھا اور آہستگی سے بولی۔

"شکریہ! میں چلی جاؤں گی۔"

"تکلف مت کیجیے بارش بہت تیز ہے۔" وہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے بولا۔ شائنہ کو اس کے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ ہلکا سا تحکم بھی محسوس ہوا۔ مگر اسے وہ تحکم برا نہیں لگا۔ بلکہ اس سے اسے عجیب سی اپنائیت کا احساس ہوا اور وہ خاموشی سے کار میں آکر بیٹھ گئی۔

اس روز اس کے گھر تک کا فاصلہ ڈھائی منٹ میں طے ہو گیا۔ کار میں بیٹھتے ہوئے شائنہ کا خیال تھا کہ وہ اسے مخاطب ضرور کرے گا اور وہ اس سے بات کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار بھی تھی۔ وہ خود بھی اس سے چند سوال پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت اسے بے حد حیرت ہوئی جب کار والے لڑکے نے نا صرف یہ کہ اسے مخاطب نہیں کیا بلکہ پورا راستہ اس نے شائنہ کی طرف دیکھا بھی نہیں اور اس کے گھر کے گیٹ پر اسے اتار کر خاموشی سے کار کو آگے بڑھا لے گیا۔

اس روز رات گئے تک شائنہ اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ اس کے رویے کو سمجھنے سے بالکل قاصر تھی۔ اگر وہ اس کی ذات میں دلچسپی رکھتا تھا تو اتنے دن گزر جانے کے باوجود اسے مخاطب کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا تھا۔ اس سے کچھ کہتا کیوں نہیں تھا؟

☼ ☼ ☼

ساری پیکنگ ہو چکی تھی۔ صبح اسے جو کپڑے پہن کر جانا تھے وہ بھی تیار تھے۔ کوئی کام نہیں تھا۔ مگر پھر بھی اس سے سویا نہیں جا رہا تھا۔ کتنی دیر تک وہ یونہی پلنگ پر لیٹا رہا پھر اکتا کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی لائٹ جلائی اور ٹیبل پر پڑا ہوا ایک پرانا میگزین اٹھا لیا۔ لیکن اس میں بھی دل نہیں لگا۔ ایک عجیب سی بے کلی تھی جس نے اسے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ وہ بے چینی سے اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ جاتی سردیوں کے دن تھے۔ اور آنگن میں سرسراتی ہوئی ہوا کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ اس نے دور کونے میں بنی کیاری میں لگے گلاب اور موتیے کے پودوں کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"اب پتا نہیں میں دوبارہ کب ان ساری چیزوں کو دیکھ پاؤں گا جن سے مجھے اتنی انسیت ہے اور وہ چہرے ——"

اس کے دل سے ہوک سی اٹھی۔ ایک پل کے لیے جی چاہا کہ ساری دنیا کو بھول جائے۔ بس یاد رکھے تو اپنے گھر کو اپنے گھر کے لوگوں کو ماں کے بہتے آنسوؤں کو چھوٹے بھائی اور بہن کی التجاؤں کو اور ملک بدر ہونے کا ارادہ چھوڑ دے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے یوں چلے جانے سے ان تینوں میں سے کوئی بھی خوش نہیں ہے مگر سگے ماموں کی بے اعتنائی اور آمنہ کی خود غرضی نے اس کے اندر جو آگ بھر دی تھی۔ وہ آگ اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ اس آگ کو بجھانے کا صرف ایک طریقہ تھا بے تحاشا دولت۔ اس کے پاس اتنی دولت ہو کہ ماموں اور آمنہ جیسے لوگ اسے سر اٹھا کر دیکھیں۔ اس پر رشک کریں اور اپنے فیصلے پر پچھتائیں۔ یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی تھی اور اسی خواہش نے اس سے وہ سب کچھ کروایا تھا۔ جو وہ عام حالات میں کبھی نہ کرتا۔

اس نے ماں کا زیور بیچا تھا۔ مکان گروی رکھا تھا۔ کئی دوستوں سے قرض لیا تھا۔ تب کہیں جا کر وہ دبئی کا ویزہ اور ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اب وہ چاہتا بھی تو نہیں رک سکتا تھا۔ لیکن وہ ایسا چاہتا ہی کب تھا۔ ایسی سوچ تو اس کے دماغ میں دو منٹ سے زیادہ ٹک ہی نہیں پائی تھی۔ وہ تو اب صرف اور صرف دولت کمانا چاہتا تھا۔ جیسے بھی ہو۔ جہاں سے بھی ملے۔ دولت اور بے حساب دولت۔ اب یہی اس کا مقصد تھا یہی اس کی آرزو اور یہی اس کی دن رات کی سوچ اس کے سوا ہر چیز ثانوی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼
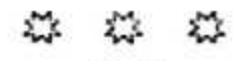
کالج کے گیٹ سے نکل کر شائنہ نے عادتاً" اس درخت کی جانب نظر دوڑائی جہاں وہ کار لیے موجود ہوتا تھا۔ مگر اگلے ہی پل اس کی نگاہ مایوس ہو کر لوٹ آئی وہ آج بھی وہاں نہیں تھا۔ اس نے ہر روز کی طرح انگلیوں پر حساب لگایا۔ اسے غائب ہوئے آج بارہ دن ہو گئے تھے۔ پورا ڈیڑھ مہینہ اس کا مسلسل تعاقب کرتے رہنے کے بعد وہ ایک دم سے بغیر کچھ کہے غائب ہو گیا تھا۔ جب وہ ہر روز آتا رہا۔ شائنہ نے اسے کبھی زیادہ اہمیت نہیں دی۔ بس اتنا تھا کہ اس کے تعاقب کرنے سے وہ الجھن کا شکار ہوتی تو تھوڑی دیر کے لیے اس کے بارے میں سوچ لیا کرتی تھی۔ مگر جب سے وہ غائب ہوا تھا۔ اسے یوں لگنے لگا تھا کہ جیسے اس اجنبی کے ساتھ اس کا کوئی بہت گہرا رشتہ ہو۔

اب وہ دن رات صرف اسی کو سوچنے لگی تھی۔ ایک عجیب سی بے چینی اس کی ذات کی احاطہ کیے رہتی تھی۔ ہر روز چھٹی کے وقت گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے اور صبح کو گھر سے جاتے ہوئے اس کا دل شدت سے دعا کرتا کہ وہ باہر موجود ہو اور جب ایسا نہ ہو پاتا تو اس کی بے چینی کئی گنا بڑھ جایا کرتی تھی۔

"کیا میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں؟" تھکے تھکے قدموں سے گھر کی جانب جاتے ہوئے اس نے خود سے وہ سوال دہرایا۔ جو دن میں کئی کئی بار دہرایا کرتی تھی۔ اور جس کا جواب ہمیشہ ہاں میں آتا تھا۔ مگر آج اسے اندر کا جواب لینے کی مہلت نہیں ملی۔

کسی کار کا ہارن اس کے بالکل قریب بہت زور سے بجا تھا۔ وہ بری طرح سے چونک گئی اور بے اختیار ہی گردن موڑ کر اپنے دائیں جانب دیکھنے لگی۔ وہاں جانی پہچانی سفید کار اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے سنہری آنکھوں والے لڑکے کو دیکھ کر اس پر شادی مرگ طاری ہونے لگا تھا۔ اسے سچ مچ اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کو دیکھ رہی ہے۔ جس کے بارے میں دن رات سوچ سوچ کر وہ باقی کی ساری دنیا سے غافل ہو چکی تھی۔ کئی لمحوں تک وہ ساکت کھڑی اس کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے آج اس چیز کا بھی خیال نہیں تھا کہ کوئی اسے یوں انہماک سے ایک اجنبی کو گھورتا دیکھے گا تو اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا۔

اسے یوں اپنی جانب دیکھتے پا کر ولید کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اترا اور مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کے مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔

"کیسی ہیں شائنہ آپ؟" وہ بہت نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ شائنہ جیسے جھرجھری لے کر ہوش کی دنیا میں واپس لوٹی۔

"آ—— آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟" وہ ہکلائی جواب میں وہ دلکشی سے مسکرا دیا۔

"صرف نام ہی نہیں میں آپ کے بارے میں اور بھی کافی کچھ جانتا ہوں۔ لیکن یہاں کھڑے ہو کر بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔ آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔"

اپنی بات کہہ کر وہ دوبارہ کار میں جا بیٹھا۔ جیسے اسے پورا اعتماد ہو کہ وہ ضرور ہی اس کے پیچھے چلی آئے گی اور ہوا بھی یہی۔ اگلے ہی منٹ وہ اس کے برابر کار میں بیٹھی تھی اور کار دھیمی رفتار سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" چند لمحوں تک کار میں خاموشی چھائی رہی تو شائنہ نے ہی سوال کر کے اس خاموشی کو توڑا۔ وہ ہلکے سے مسکرا دیا پھر نرمی سے بولا۔

"بچوں جیسے سوال کرتی ہیں آپ' خود سوچیں آج کل کے دور میں کسی کے بارے میں بھی کچھ جاننا ہو تو کون سا مشکل کام ہے۔ خاص طور پر کسی اسٹوڈنٹ کے بارے میں جاننا۔ بس آپ کو کسی کی ذات میں

انٹرسٹ ہونا چاہیے اور مجھے آپ کی ذات میں کتنا انٹرسٹ ہے۔ یہ آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں۔"

"مگر آپ ہیں کون؟"

یہ وہ سوال تھا جو وہ بہت دنوں سے اس سے کرنا چاہتی تھی اس لیے اب کیا تو لہجے میں بے صبری نمایاں تھی۔ وہ ایک بار پھر مسکرا دیا۔

"میرا نام ولید احسن ہے۔ بنیادی طور پر میرا تعلق ناروے سے ہے۔ میں وہیں پیدا ہوا وہیں پلا بڑھا۔ البتہ میرے فادر پاکستانی تھے۔ اور اسی وجہ سے مجھے بھی پاکستان سے بہت پیار ہے۔ مجھے یہاں آئے ہوئے تقریباً" چھ ماہ ہوئے ہیں اور میں نے یہاں امپورٹ ایکسپورٹ کا کام شروع کیا ہے۔ ماڈل ٹاؤن میں رہتا ہوں۔ والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایک بڑی بہن ہیں جو ناروے میں ہی ہیں اور درحقیقت مجھے پالا بھی انہوں نے ہی ہے۔ کیونکہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ جب ایک کار ایکسیڈنٹ میں میرے والدین کی ڈیتھ ہو گئی۔"

اس نے بہت تفصیل سے اپنے بارے میں بتایا تھا۔ شائنہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ اصل میں تو وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ ولید احسن کو اس کی ذات میں دلچسپی کیوں ہے۔ مگر یہ پوچھنے کے لیے اسے مناسب الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے۔ کار اس کے گھر کو پیچھے چھوڑ آئی تھی اور سنسان سڑک پر سبک روی سے چل رہی تھی۔

"آپ کہیں انگیجڈ ہیں مس شائنہ؟"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ولید نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ شائنہ بری طرح سے چونک گئی۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے ایسا سوال بھی کر سکتا ہے۔ بے اختیار ہی اس کا سر نفی میں ہل گیا۔

"گڈ۔" وہ ہلکے سے مسکرایا پھر ونڈ اسکرین پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"مجھ سے شادی کریں گی آپ؟"

"جی؟" وہ صحیح معنوں میں ہکا بکا رہ گئی۔

"میں نے پوچھا ہے آپ مجھ سے شادی کریں گی؟"

اس کے حیرت زدہ چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے محظوظ ہونے والے انداز سے اپنا سوال دہرایا۔

"کیوں؟" وہ بے اختیار ہی پوچھ گئی۔ ولید اس کے انداز پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"شادی لوگ کیوں کرتے ہیں؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"میرا مطلب ہے کہ آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"بھئی کسی نہ کسی سے تو کرنا ہی ہے۔" وہ آرام سے بولا۔ شائنہ کو اس کے جواب نے مایوس کیا۔ وہ اس کی زبان سے اپنی تعریف سننا چاہتی تھی۔ وہ خاموشی سے کھڑکی کے باہر جھانکنے لگی۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" ولید نے ایک بار پھر پوچھا۔

"میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ کچھ الجھ کر بولی تھی۔

"اس بارے میں تو آپ کو میرے گھر والوں سے ہی بات کرنا ہو گی۔"

"ان سے میں بات کر لوں گا۔ آپ اپنا بتائیے۔ آپ کو تو میرا ساتھ منظور ہے نا۔"

کار سڑک کے کنارے روک کر وہ بہت توجہ سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ شائنہ کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔ اس نے بغیر ولید کی جانب دیکھے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ یہ ہوئی نا بات۔" وہ خوشی سے چہکا۔ "اب باقی سب کچھ میں خود سنبھال لوں گا۔"

اس نے کار دوبارہ سے اسٹارٹ کر دی اور اگلے چند منٹ میں شائنہ کو اس کے گھر کے گیٹ پر اتار کر چلا گیا۔ شائنہ کو اس کے انداز نے ایک بار پھر حیران کیا تھا۔ اس نے نہ تو شائنہ سے یہ پوچھا تھا کہ اس کے گھر میں کون کون لوگ ہیں اور نہ ہی اس بات پر کوئی تشویش ظاہر کی تھی کہ وہ لوگ اس کا پرپوزل قبول بھی کریں گے یا نہیں۔ اس کی بجائے اس کا انداز بے حد

پراعتماد بلکہ کسی قدر بے نیازانہ بھی تھا۔

"خیر جیسا بھی ہے اچھا ہے۔ بہت اچھا ہے۔"

آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے شائنہ نے مسکرا کر خود کلامی کی تھی۔ آج وہ بہت خوش تھی۔ اتنے دنوں سے اس کے دل پر جو اداسی کے بادل چھائے ہوئے تھے وہ ایک دم سے ہی چھٹ گئے تھے اور وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے لمبے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے وہ مسلسل گنگنا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

دبئی آنے سے پہلے ہی اسے اندازہ تھا کہ وہاں کی زندگی اس کے لیے آسان ثابت نہیں ہو گی۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب اس کے پاس کوئی ٹیکنیکل ڈگری تھی اور نہ ہی کوئی دوسرا ہنر اور وہ ذہنی طور پر ان مشکلات کے لیے تیار بھی تھا۔ جن کا سامنا اسے وہاں کرنا پڑتا۔ مگر اس سب کے باوجود اسے وہاں پوری طرح ایڈجسٹ ہونے میں بہت عرصہ لگا۔ ابتدائی دور تو خاص طور پر اس کے لیے بے حد تکلیف دہ ثابت ہوا۔

روزگار کے مسائل اپنی جگہ تھے مگر ان سے بھی بڑھ کر زندگی کے معمولات نے اسے ستایا تھا۔ وہ جس نے کبھی ہل کر پانی تک نہیں پیا تھا۔ جس کے دفتر سے آنے کے بعد ماں اس کے لیے تازہ روٹی پکا کر لاتی تھیں اور اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتی تھیں۔ اسے کھانے کے فوراً" بعد چائے پینے کی عادت تھی اور گرم چائے کا مگ اس کے آخری نوالہ منہ میں ڈالتے ہی اس کے سامنے ہوتا تھا۔ اس کے کپڑے ہمیشہ استری کیے ہوئے اس کی الماری میں موجود ہوتے۔ جوتے تک اسے خود پالش نہیں کرنے پڑتے تھے۔ یہ کام اس کا چھوٹا بھائی بہت شوق سے انجام دیتا تھا اور چھوٹی ثریا بہت پیار سے اس کے موزے اور رومال دھو کر رکھا کرتی تھی۔ گھر بھر میں اسے بے حد چاہا جاتا تھا۔ اس لیے اسے اپنا کوئی بھی کام خود کرنے کی عادت نہیں تھی۔

مگر یہاں آنے کے بعد اسے نا صرف اپنے سارے ذاتی کام خود کرنا پڑے بلکہ اپنا کھانا پکانا اور کمرہ صاف کرنے جیسے کام بھی اس کے ذمے لگ گئے۔

وہ تھکا ہارا کام سے واپس آتا۔ تو آگے کوئی نہیں ہوتا تھا جو اس کے صدقے واری جائے اس کے لیے گرم کھانے کی ٹرے سجا کر لائے وہاں کوئی ننھی بہن نہیں تھی جو اس کی آمد پر دوڑ کر اس کے ساتھ لپٹے۔ اس کی چپل نکال کر لائے اور ضد کر کے اپنے ننھے ہاتھوں سے اس کے بوٹ اتار کر اسے چپل پہنائے وہ خود کو بے حد تنہا اور بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔ اکثر راتوں کو وہ تکیے میں منہ چھپا کر روتا اور اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرتا۔

اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ زندگی کبھی یوں اس پر اس قدر نامہربان بھی ہو گی۔ سکھ سکون اور آرام کے سارے لمحے بس خواب ہو کر رہ جائیں گے ایسے میں بعض اوقات اس کے من میں خواہش امنڈتی کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر واپس چلا جائے۔ اپنے ملک میں اپنے گھر میں اپنے پیاروں کے بیچ۔ مگر یہ سوچ بس پل بھر کی ہوتی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہی آگ اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ جس کی ناقابل برداشت تپش نے اسے اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا اور ابھی بھی وہ آگ اسے اپنی لپیٹ میں لینے کے بعد سب کچھ بھلا دیتی تھی۔ اسے یاد رہتا تھا تو صرف اتنا کہ اب اس کے قدموں کو واپس نہیں پلٹنا۔ اسے تو اب آگے آگے بہت ہی آگے جانا ہے۔ بہت ہی اونچا تعمیر کرنا ہے خود کو۔

آہستہ آہستہ وہ اس زندگی میں ایڈجسٹ ہونے لگا۔ اسے اپنے کام خود کرنے کی اور اپنے پیاروں سے دور رہنے کی عادت سی ہونے لگی تھی اور زندگی کس قدر سہل لگنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"شائنہ! جلدی کرو تمہارے بھیا باہر ہارن پر ہارن دے رہے ہیں۔"

اس کے کمرے کے دروازے پر رک کر بھابی نے عجلت بھرے انداز سے کہا تھا۔ بالوں میں برش کرتی شائنہ کے ہاتھوں میں تیزی آگئی۔ چھوٹے بھیا کی جلدی جلدی مچانے کی عادت سے وہ اچھی طرح سے آگاہ تھی۔ ان لوگوں کو اس وقت ایک شادی میں شریک ہونے جانا تھا اور چھوٹے بھیا نے حسبِ عادت پہلے جلدی جلدی کا شور مچایا پھر آخری حربے کے طور پر باہر کار میں جابیٹھے تھے اور اب ہارن پر ہارن بجا کر ان کے حواس مختل کیے دیے رہے تھے۔

"شائنہ! کہاں رہ گئی ہو؟"

بھابی نے ایک بار پھر باہر سے پکارا تھا۔

"آئی بھابی!" برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر اس نے ایک آخری بھرپور نظر اپنے سراپے پر ڈالی۔ سلور نگوں سے مزین سیاہ نیٹ کا لباس اور ہلکا میک اپ وہ کسی اپسرا کی مانند حسین لگ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار کہیں جانے کے لیے وہ اس قدر دل سے تیار ہوئی تھی۔ ورنہ وہ اول تو تقریبات میں جاتی ہی نہیں تھی اور اگر کبھی بھابی کے اصرار پر چلی بھی جاتی تو بے حد سادہ حلیے میں ہوا کرتی تھی۔ اس لیے اس کا آج کا انداز بھابی کو بھی حیران کر گیا وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو بھابی اسی کے انتظار میں لاؤنج میں کھڑی تھیں دونوں بچے اپنے پاپا کے ساتھ ہی باہر جا چکے تھے۔

"اوھو۔۔۔ بھئی یہ شہزادی کہاں سے چلی آرہی ہے؟"

اس پر نظر پڑتے ہی بھابی نے ستائشی انداز سے کہا تھا۔ شائنہ جھینپ کر مسکرادی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو شائنہ! اللہ نظرِ بد سے بچائے۔"

اسے گلے لگا کر انہوں نے بے اختیار ہی اس کا ماتھا چوما تھا اپنی کم گوئی معصومیت اور ہر ایک کا احترام کرنے کی عادت کی بنا پر وہ بھابی کو یوں بھی بے حد عزیز تھی۔ اور اس وقت تو اتنی حسین لگ رہی تھی کہ کوئی بھی اسے دیکھ کر سراہے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

"شکریہ بھابی!" دھیمے سے مسکرا کر وہ ان کی معیت میں باہر کی جانب چل دی۔ بھابی کے ریمارکس نے اسے بے حد خوش کیا تھا اسے یقین ہو گیا تھا کہ جس کے لیے اس نے یہ ساری تیاری کی ہے۔ وہ بھی یقیناً اسے سراہے گا۔ کار میں بیٹھنے کے بعد وہ سارا راستہ اسی کے بارے میں سوچتی رہی۔ جو چند ہی روز میں اس کے لیے ساری دنیا سے زیادہ اہم ہو گیا تھا۔ ولید احسن جس کا نام تک وہ کچھ روز پہلے تک نہیں جانتی تھی۔ اب اسے اس کے نام کے سوا کوئی دوسرا نام یاد ہی نہیں رہتا تھا۔ آج کی تقریب میں بھی وہ اسی کی وجہ سے جا رہی تھی۔ ورنہ صبح تک اس کا اس شادی میں شریک ہونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور اس نے بھابی کو اپنے نہ جانے کا بتا بھی دیا تھا۔ مگر پھر ولید کا فون آگیا۔ اس نے پہلی بار شائنہ کو فون کیا تھا اور اتفاق سے اس نے ریسیو کیا۔ اس کے ہیلو کہتے ہی ولید نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

"شائنہ! میں ولید بات کر رہا ہوں۔" اس نے کہا تو وہ چونک گئی تھی۔

"آپ۔۔۔ آپ کو میرا فون نمبر کہاں سے ملا۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

"شائنہ! اللہ کے لیے یہ بچوں والے سوالات کرنا اب بند کر دو یہ کیسے معلوم ہوا وہ کیسے معلوم ہوا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ آج تم لوگوں کو پروفیسر عبدالغنی کے بیٹے کی شادی میں جانا ہے۔ جو تم لوگوں کے فیملی فرینڈ ہیں۔"

"ہاں جانا تو ہے۔ مگر میں نہیں جاؤں گی۔" اس نے اس بار حیرت کا مظاہرہ کرنے سے خود کو شعوری طور پر روکا تھا۔

"کیوں نہیں آؤ گی۔ تم بھی آؤ گی اور اپنے سارے گھر والوں کو بھی لاؤ گی۔ کیونکہ آج میں بھی وہاں ہوں گا اور تمہارے بھیا سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"لیکن بھیا کی تو آج کوئی میٹنگ ہے۔ میرا خیال ہے بھابھی اور بچے ہی جائیں گے۔" شائنہ نے بتایا۔

"بھیا کا جانا ضروری ہے شائنہ! تمہیں نہیں پتا یہ ان سے تعارف حاصل کرنے کا کتنا گولڈن چانس ہے

میں اسے مس نہیں کر سکتا۔ تم کسی بھی طرح سے ان کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ پروفیسر عبدالغنی کا چھوٹا بیٹا کیمبرج میں میرا روم میٹ رہ چکا ہے۔ اور اس نے اپنے بھائی کی شادی میں مجھے انوائٹ کیا ہے۔ اب اگر میں اس کے ذریعے تمہارے بھیا سے متعارف ہو جاؤں۔ تو بعد میں تمہارے بھیا سے دوستی کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہو گا۔"

ولید نے اسے تفصیل سے سمجھایا تھا۔ شائنہ نے اس سے وعدہ کر لیا کہ وہ بھیا کو شادی میں لے کر آئے گی اور اب اسی وعدے کی پاسداری کے لیے وہ بھیا بھابی اور بھتیجیوں سمیت شادی ہال کی جانب جا رہی تھی۔

شادی ہال میں داخل ہوتے ہی اس کی نظروں نے ولید کو تلاشنا شروع کر دیا تھا اور اس کی نظروں کو زیادہ سفر نہیں کرنا پڑا۔ وہ انکل عبدالغنی کے چھوٹے بیٹے صارم کے ساتھ استقبالیہ پر ہی موجود تھا۔ اس نے شائنہ کے سجے سنورے روپ پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور مبہوت ہو کر رہ گیا۔ وہ واقعی بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اور ولید کا دل اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

"ولید! ان سے ملو یہ عاطف بھائی ہیں۔"

صارم نے ولید کا بازو ہلایا تو وہ ہوش کی دنیا میں لوٹا۔ شائنہ اپنی بھابی کے ساتھ اندر جا چکی تھی۔ صرف اس کے بھیا وہاں رک گئے تھے۔ جن کا تعارف صارم اس سے کروا رہا تھا۔ ولید نے بے حد خوش دلی سے بھیا کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔

"آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔"

وہ کہہ رہا تھا۔ بظاہر یہ جملہ رسمی تھا۔ مگر ولید جانتا تھا کہ اسے واقعی ان سے مل کر خوشی ہوئی تھی۔ آج ان سے تعارف حاصل کر کے اس نے کامیابی کا ایک اور زینہ طے کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼
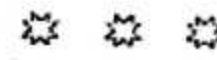
دبئی میں اس کا قیام ڈھائی سال تک رہا۔ پھر وہ وہاں سے ناروے چلا آیا اور ایسا کرنے کے لیے اس کو بہت زیادہ کوشش نہیں کرنا پڑی تھی۔ بس قدرتی طور پر ہی وسیلے بنتے گئے۔ اور وہ نہ صرف ناروے آپہنچا۔ بلکہ وہاں آتے ہی اسے ایک کمپنی میں کافی معقول جاب بھی مل گئی۔ جو اس کمپیوٹر ڈپلومہ کی وجہ سے ملنا ممکن ہوئی تھی جو اس نے دبئی میں اپنے قیام کے دوران ایک نائٹ کالج سے کیا تھا۔ کیونکہ وہاں پہنچنے کے کچھ ہی دنوں کے بعد اس کو اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ اگر اسے بیرا گیری یا سیلز مین سے بہتر کوئی جاب کرنا ہے تو اسے اپنی تعلیمی قابلیت کو بڑھانا ہو گا۔ اس لیے چھ ماہ بعد جب وہ وہاں کسی حد تک ایڈجسٹ ہو گیا تو اس نے آگے داخلہ لے لیا۔

پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے کام میں بھی بہت محنت کرتا رہا یہی وجہ تھی کہ جب ڈھائی سال کے بعد وہ دبئی سے ناروے پہنچا۔ تو نا صرف یہ کہ وہ تمام دوستوں سے لیے ہوئے قرضے ادا کر چکا تھا اور اپنے مکان کو چھڑا چکا تھا بلکہ ہر ماہ اس کی طرف سے بھیجے جانے والے روپوں سے اس کی ماں اور چھوٹی بہن اور بھائی کافی خوشحال زندگی گزارنے لگے تھے۔ ایک دوست کے توسط سے اس نے شہر کے مضافات میں بننے والی ایک نئی کالونی میں ایک کینال کا پلاٹ بھی خرید لیا تھا۔ جہاں وہ مستقبل میں اپنا گھر بنانا چاہتا تھا۔ ایک شاندار اور خوبصورت گھر اگرچہ وہ علاقہ ابھی اتنا آباد نہیں تھا۔ مگر اسے یقین تھا کہ کچھ سالوں تک وہ شہر کے گنجان آباد علاقوں میں سے ایک ہو گا۔

ناروے آنے کے بعد اسے رہائش کے لیے جس بوسیدہ فلیٹ میں جگہ ملی۔ اس میں دو کمرے تھے اور وہاں پہلے سے چھ لوگ رہ رہے تھے۔ دبئی کی بانسبت یہ رہائش گاہ زیادہ بری اور تکلیف دہ تھی۔ مگر ناروے جیسے ملک میں رہنا اور بے حد محدود رقم میں گزارا کرنا ہو تو ایسی رہائش گاہ کے لیے کمپرومائز کرنا ہی پڑتا ہے اس لیے وہ اس تلخ گھونٹ کو صبر کے ساتھ پی گیا۔ ویسے بھی وہاں اس کے پاس اتنا کام تھا کہ وہ فلیٹ پر صرف سونے کے لیے جایا کرتا تھا۔ کھانا اس نے ایک

ہوٹل سے کھانا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ اب اس کے پاس اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ وہ خود کھانا پکا کر کھائے۔ دفتر میں آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی کے بعد اگلے چھ گھنٹے وہ ٹیکسی چلانے میں صرف کرتا تھا۔

ان دنوں میں اس کے پیش نظر صرف ایک مقصد تھا۔ زیادہ سے زیادہ دولت کمانا اور واپس اپنے ملک چلے جانا اور اسے احساس تھا کہ جتنی دولت اسے درکار ہے اور جس قدر اپنی انتہائی کوشش کرنے کے بعد وہ کما پاتا ہے۔ اس صورتحال میں اسے کم از کم دس سے پندرہ سال تک پاکستان سے باہر رہنا ہوگا۔ اور اتنا طویل عرصہ وہ ملک سے باہر رہنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی وہ اپنی کسی خواہش سے دستبردار ہونے کو بھی تیار نہ تھا۔ اسے پاکستان میں اپنے لیے ایک شاندار گھر بنانا تھا۔ جو ہر طرح کے قیمتی سامان سے آراستہ ہو اور جس کے پورچ میں کم از کم تین کاریں کھڑی ہوں۔ ساتھ ہی اس کا کوئی اچھا سا کاروبار بھی ہو اور بینک بیلنس بھی کروڑوں نہیں تو لاکھوں میں ضرور ہو۔ اب اتنے سارے خواب پلک جھپکتے میں تو پورے نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا۔ لیکن پھر بھی انہیں پورا کرنے پر بضد تھا۔ اور پھر بالآخر ناروے آنے کے آٹھ ماہ کے بعد اسے ایک ایسا شارٹ کٹ مل گیا۔ جس پر چل کر وہ کم سے کم مدت میں اپنے خواب پورے کر سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼
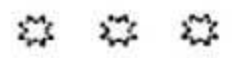
"آخر میں نے تمہیں پا ہی لیا۔"

بھیا سے انکل عبدالغنی کے بیٹے کی شادی میں ہونے والی ملاقات کے ٹھیک چھ ماہ کے بعد وہ اپنے سامنے دلہن بن کر بیٹھی شائنہ سے مخاطب تھا اور اس کے لہجے میں محبت سے زیادہ اپنی کامیابی کا غرور تھا جسے شائنہ نے ایک پل کے لیے محسوس تو کیا لیکن اسے برا نہیں لگا۔ پچھلے چھ ماہ میں وہ اس سے اتنی محبت کرنے لگی تھی کہ اب صحیح معنوں میں اسے ولید کا غلط بھی ٹھیک ہی لگتا تھا اور پھر شائنہ کو پانے کے لیے ولید نے واقعی بہت جتن کیے تھے اور اتنی کوشش اور جدوجہد کے بعد اگر وہ اس کے ساتھ شادی کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ تو اسے اپنی اس کامیابی پر غرور کرنے کا پورا حق تھا۔

ابتدا میں بھیا کے ساتھ دوستی کرنے اور پھر ان سے ملنے کے لیے وقتاً "فوقتاً" شائنہ کے گھر تک چلے آنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ مگر جب اس نے انکل عبدالغنی کے ذریعے اپنا پرپوزل بھیجا۔ تو شائنہ کے گھر میں کئی اعتراضات اٹھے تھے۔ ولید کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ صرف ایک بڑی بہن تھی۔ مگر وہ بھی صرف شائنہ کو پتا تھا۔ باقی لوگوں کو اس نے یہی بتایا تھا کہ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کے والدین کا عرصہ پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ شائنہ کے استفسار پر اس نے کہا تھا کہ چونکہ اس کی بہن اس شادی کے لیے راضی نہیں ہیں۔ اس لیے اس نے شائنہ کے گھر والوں سے اپنی بہن کا ذکر نہیں کیا۔

"تم فکر مت کرو شانو! میں اپیا کو جلد ہی منا لوں گا۔ پھر ہم تمہارے گھر والوں سے معذرت کر لیں گے۔"

شائنہ کی تشویش کو دیکھتے ہوئے اس نے بے حد نرمی سے کہا تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ پہلے اپنی اپیا کو منانے کی کوشش کریں میرا مطلب ہے کہ......"

شائنہ نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔ ولید متانت سے مسکرا دیا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں جان! لیکن تم میری اپیا کو نہیں جانتیں وہ کسی صورت ہماری شادی نہیں ہونے دیں گی انہوں نے ناروے میں میرے لیے کوئی لڑکی پسند کر رکھی ہے۔ لیکن اگر ایک بار ہماری شادی ہو گئی تو انہیں اسے قبول کرنا ہی ہوگا۔"

اس نے سمجھانے والے انداز سے کہا تھا۔ شائنہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

چھوٹے بھیا نے صارم سے ولید کے بارے میں تمام تر معلومات حاصل کرنے کے بعد ایک دوست کے توسط سے اس کے پاکستان میں شروع کیے گئے

کاروبار اور اس کی جائیداد کے ساتھ ساتھ اس کے چال چلن کے بارے میں بھی مکمل معلومات حاصل کی تھیں۔ اس کے بارے میں حاصل کی جانے والی تمام معلومات اس کے حق میں تھیں۔ وہ بے حد شریف النفس محنتی اور ذہین لڑکا تھا۔ اس کا کاروبار نیا ہونے کے باوجود بڑی حد تک جم چکا تھا۔ جائیداد اور بینک بیلنس بھی اس کے پاس بے تحاشا تھا۔ پھر وہ کسی بھی بری عادت میں مبتلا نہیں تھا۔ چھوٹے بھیا ان تمام معلومات کو حاصل کرنے کے بعد بڑی حد تک ولید کے حق میں ہو گئے تھے۔ یوں بھی وہ اسے شروع سے ہی پسند کرتے تھے۔ بڑے بھیا سے انہوں نے بات کی تھی اور انہوں نے سارا معاملہ چھوٹے بھیا اور بھابی پر چھوڑ دیا تھا۔ بھابی کو سب سے زیادہ شائنہ کی کم عمری پر اعتراض تھا۔ وہ ابھی صرف انیس سال کی تھی اور بھابی اتنی جلدی اس کی شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ مگر ولید کے بے حد اصرار انکل عبدالغنی کے سمجھانے اور سب سے بڑھ کر ولید کے ذکر پر شائنہ کے چہرے پر بکھر جانے والے رنگوں نے بھابی کا یہ اعتراض بھی ختم کر دیا اور یوں آج وہ ولید کی دلہن بن کر اس کے سامنے بیٹھی تھی اور اسے یہ خوب صورت سجا سجایا کمرہ ولید کا ساتھ اور اپنے خوابوں کے تعبیر پا جانے کا نشہ سب کچھ مل کر مدہوش کیے دے رہا تھا۔ اس لیے اسے یہ بھی محسوس نہیں ہوا کہ ولید کے انداز میں اس کے لیے محبت سے بڑھ کر اپنی کامیابی کا غرور ہے۔

☼ ☼ ☼

جاگنگ ٹریک پر دوڑتے ہوئے اس نے دور ہی سے اسے دیکھ لیا تھا وہ اپنے مخصوص بنچ پر بیٹھی تھی۔ اور اس کا انداز بھی ہر روز والا تھا کھویا کھویا لاتعلق اور کسی حد تک بےزار سا۔ وہ ہمیشہ کی طرح قیمتی لباس میں تھی اور اس کے گلے میں ہیروں کا وہ نفیس سا نیکلس بھی موجود تھا۔ جو وہ ہمیشہ پہنے رکھتی تھی۔ اور جس کی چمک دمک نے پہلی بار کاشف کو اس کھوئی کھوئی رہنے والی بے حد عام سی شکل و صورت کی لڑکی کی جانب متوجہ کیا تھا۔ اگلے چند روز تک وہ خاموشی سے اس کا جائزہ لیتا رہا وہ اس کے آنے سے پہلے ہی پارک میں بیٹھی ہوتی تھی اور واپس تو پتا نہیں کب جاتی تھی۔ مگر کاشف کو چونکہ اپنے کام پر جانا ہوتا تھا۔ اس لیے وہ پارک میں ایک گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتا تھا اور یہ ایک گھنٹے کی جاگنگ بھی اسے مجبوراً "کرنا پڑ رہی تھی۔ کیونکہ کچھ عرصے سے اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ اس کا نا صرف وزن بڑھ رہا ہے۔ بلکہ اس کا بے حد اسمارٹ جسم بھی بے ڈول ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے اس صورت حال کو بھانپتے ہی فوری طور پر جاگنگ شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔

پاکستان میں رہتے ہوئے تو یہ اس کا ہر روز کا معمول تھا کہ وہ صبح صبح جاگنگ کرنے جاتا تھا۔ مگر اب اس کا شیڈول اتنا ٹائٹ تھا کہ وہ بس شام کو ایک گھنٹا اس کام کے لیے نکال سکا تھا۔ اس نے اسے بھی غنیمت جانا اور جاگنگ شروع کر دی۔ تب اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا جاگنگ کے لیے اس پارک میں جانا اس کی زندگی کا رخ بدل دے گا۔

☆ ☆ ☆

"ولید! آپ سے ایک بات پوچھوں۔"

شائنہ نے کچھ جھجکتے ہوئے سوال کیا تھا۔ ولید جو اس کے حسن میں بری طرح سے کھویا ہوا تھا۔ ایک پل کے لیے چونک گیا۔ وہ لوگ اس وقت سنگاپور کے ایک شاندار ریسٹورنٹ میں لنچ کے لیے آئے تھے۔ جہاں کا خوابناک ماحول دھیمی روشنی اور آرکسٹرا کی مدھر آواز سب کچھ مل کر ایک عجیب نشے کی سی کیفیت پیدا کر رہا تھا اور ولید کے سامنے تو شائنہ بیٹھی تھی۔ سرخ لباس اور سلیقے سے کیے ہوئے میک اپ نے اس کے حسن کو اتنا ملکوتی بنا دیا تھا کہ ولید چاہتا بھی تو اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا پاتا۔ یہ اور بات کہ اس نے ایسی کوئی کوشش ہی نہیں کی تھی اور بہت انہماک سے شائنہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اسی لیے شائنہ کے سوال نے اسے تھوڑا سا چونکا بھی دیا۔

"پوچھو! اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟" ایک لمحے کے بعد وہ دلکشی سے مسکرا کر بولا تھا۔

"آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی؟" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ولید جانے کیوں تھوڑا سا گڑبڑا گیا۔

"یہ کیسا سوال ہے؟"

"اس میں کیا پیچیدگی ہے؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"دیکھیں نا آپ ساری عمر ملک سے باہر رہے اور ابھی آپ کو پاکستان آئے چند ماہ ہی ہوئے تھے جب آپ نے مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ایسا تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب کسی سے اچانک محبت ہو جائے۔ لیکن میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے ایسی کوئی محبت نہیں ہوئی تھی جو آپ کو مجھ سے شادی کرنے پر مجبور کرتی۔"

وہ بہت آرام سے کہہ رہی تھی۔ ولید نے خود کو بے حد مضطرب محسوس کیا۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تھوڑا سا سرد ہو گیا۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"بس مجھے محسوس ہوتا ہے۔ میں اس چیز کی وضاحت نہیں کرسکتی مگر مجھے لگتا ہے کہ عورت کے اندر ایک حس ہوتی ہے۔ جو مرد کی محبت کو خود بخود محسوس کرلیتی ہے۔"

شانے اچکا کر وہ اس بار قدرے لاپروائی سے بولی تھی۔ ولید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ جس کے لیے اسے شعوری کوشش کرنا پڑی تھی۔

"تم اور تمہاری حسیات۔" اس کا انداز ہلکا پھلکا تھا۔ "ویسے اتنا سمجھ لو شانو! کہ میں نے تم سے یونہی شادی نہیں کرلی۔ میں یونہی کوئی بھی کام نہیں کرتا۔ میرا مطلب ہے۔ بلا مقصد۔" وہ آخر میں تھوڑا سا سنجیدہ ہوا۔

"تو آپ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے محبت کی وجہ سے شادی کی ہے۔"

"یہ میں نے کب کہا۔" وہ اس بار شرارتی انداز سے مسکرایا تھا۔

"محبت اور مقصد کا ایک ہونا ضروری تو نہیں ہے۔"

"میں کچھ سمجھی نہیں۔" شائنہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"تم نے سمجھ کر کرنا بھی کیا ہے۔ ویسے میں نے سنا ہے کہ حسیناؤں کی سمجھ کا خانہ ذرا چھوٹا ہوتا ہے اور تم خاصی حسین ہو۔" اس کے حسین چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"ولید آپ..." شائنہ نے مصنوعی خفگی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس وقت دو ویٹرز نے آکر ان کی ٹیبل پر کھانا لگانا شروع کردیا تو اسے چپ ہونا پڑا۔

☼ ☼ ☼

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔"

کاشف نے ایک روز پہلے ہی اس لڑکی کا تعاقب کر کے اس کا گھر دیکھا تھا وہ زیادہ دور نہیں رہتی تھی۔ مشکل سے سات منٹ کی ڈرائیو پر اس کا وہ شاندار گھر تھا۔ جسے دیکھ کر کاشف کو صحیح معنوں میں پسینہ آگیا تھا۔ وہ لڑکی اسے کسی لاٹری کا ایسا ٹکٹ محسوس ہو رہی تھی۔ جس پر انعام نکلنے کا اسے پورا یقین تھا۔ اس لیے وہ اسے کسی بھی قیمت پہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"جی بیٹھیے۔" لڑکی نے ایک لمحے کے لیے گھاس پر سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا اور لاتعلقی سے کہہ کر دوبارہ نظریں گھاس پر جما دیں۔ کاشف کو تھوڑی سی مایوسی ہوئی۔ وہ آج خصوصی تیاری کر کے آیا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس کی دلکش پرسنالٹی اس لڑکی کو ضرور اس کی جانب متوجہ کرلے گی۔ مگر لڑکی نے اس پر صرف ایک نظر ڈالی تھی اور وہ بھی بے حد سرسری۔

"آپ یہاں روز آتی ہیں۔"

اگلے چند منٹ تک لڑکی کے گھاس کو دیکھتے رہنے کے ارتکاز میں فرق نہ آیا تو کاشف نے اسے متوجہ کرنے کے لیے گھسا پٹا سوال پوچھا۔

"جی۔" اس نے اپنا ارتکاز توڑے بغیر جواب دیا تھا۔

"شاید آپ کہیں قریب ہی رہتی ہیں۔" کاشف نے ہمت نہ ہاری۔

"جی۔" وہ سابقہ انداز میں رتی بھر تبدیلی نہیں لائی تھی کاشف کو جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ چند لمحوں کے لیے وہ بالکل چپ کر گیا۔ پھر اس نے نئے سرے سے خود کو کمپوز کیا اور دوبارہ سے لڑکی کو مخاطب کیا۔

"میں بھی یہاں ہر روز آتا ہوں۔" اس کا انداز اطلاع مہیا کرنے والا تھا۔ مگر اس کی یہ اطلاع چونکہ لڑکی کے لیے کسی دلچسپی کا باعث نہیں تھی۔ اس لیے اس نے اس بار بھی بغیر اس کی جانب دیکھے لاتعلقی سے اچھا کہہ دیا۔

"آپ پاکستانی ہیں؟"

"کہہ سکتے ہیں۔ میرے فادر پاکستانی تھے۔ مگر میری پیدائش یہیں کی ہے۔"

اس بار کاشف کو لگا تھا کہ لڑکی نے اس کے سوال میں کچھ دلچسپی لی ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ اس کا جواب پہلے کی طرح صرف ایک جملے پر مشتمل نہیں تھا۔

"میں بھی پاکستانی ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے ہی یہاں آیا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر اطلاع فراہم کی تھی۔

"اچھا واقعی۔" لڑکی نے اس بار گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ "پاکستان میں کس جگہ رہتے تھے آپ۔"

"لاہور میں۔" لڑکی نے پہلی بار کوئی سوال کیا تھا۔ کاشف نے خود کو بے حد خوش محسوس کیا۔

"لاہور؟" لڑکی ایک پل کے لیے چونکی۔

"میں نے لاہور دیکھا ہے۔ پندرہ سال پہلے پاپا مجھے وہاں لے کر گئے تھے۔ بہت ہی پیارا شہر ہے مجھے بہت پسند آیا تھا۔" وہ اس بار پوری کی پوری کاشف کی طرف گھوم گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک ماہ کے ہنی مون ٹرپ کے بعد وہ لوگ واپس پاکستان آگئے۔ ولید تو آتے ہی اپنی کاروباری مصروفیات میں گم ہو گیا اور شائنہ نئے سرے سے گھر کی تزئین و آرائش میں مگن ہو گئی۔ مگر اس کام میں بھی آخر کتنا وقت لگ سکتا تھا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد فراغت اسے بور کرنے لگی۔ ولید کے گھر پہ نوکروں کی پوری فوج موجود تھی۔ اور وہ سب اپنے اپنے کام میں پوری طرح ماہر تھے۔ شائنہ کو تو ان کی نگرانی کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ گھومنے پھرنے اور شاپنگ کرنے کی وہ زیادہ شوقین نہیں تھی۔ اس لیے اسے ولید کے آنے تک اپنا ٹائم پاس کرنے کے لیے روز ہی کوئی نیا مشغلہ سوچنا پڑتا تھا۔

اس روز بھی صبح اٹھنے کے بعد وہ اسی بات پر غور کر رہی تھی جب لاؤنج سے ولید کی آواز سنائی دی۔ وہ غالباً کسی کے ساتھ فون پر بات کر رہا تھا۔ شائنہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ کیونکہ عموماً وہ اس کے بے دار ہونے سے پہلے ہی آفس چلا جایا کرتا تھا۔ کیونکہ شائنہ نو بجے کے بعد سو کر اٹھتی تھی۔ جبکہ ولید آٹھ بجے تک آفس کے لیے نکل جاتا تھا۔

اس نے وال کلاک پر نظر دوڑائی ساڑھے نو ہو رہے تھے۔

"لگتا ہے۔ جناب کا آج چھٹی کا پروگرام ہے۔"

وہ زیر لب بڑبڑائی اور چپل پاؤں میں اڑس کر لاؤنج میں چلی آئی۔ ولید وہیں تھا اور بڑی فراغت سے صوفے پر نیم دراز ٹی وی کے چینل بدل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"ہوگئی صبح بیگم صاحبہ کی؟"

"ہاں جی ہوگئی۔ مگر آپ آج کیوں نہیں گئے؟" ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے شائنہ نے سوال کیا۔

"بس یار! موڈ نہیں بنا۔ ایک تو اٹھتے اٹھتے دیر ہو گئی۔ ابھی پندرہ بیس منٹ پہلے ہی اٹھا ہوں۔ پھر سوچا کہ آج بیگم صاحبہ کو تھوڑی شاپنگ ہی کروادی جائے خود سے تو یہ محترمہ کوئی فرمائش کرتی نہیں ہیں۔" ٹی وی بند کرتے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بڑا شوق ہے۔ مجھ سے فرمائشیں سننے کا۔ اگر میں نے کرنی شروع کردیں تو تنگ بھی بڑی جلدی آجائیں گے۔" وہ شرمیلے سے انداز سے ہنس کر بولی تھی۔ ہنستے ہوئے وہ ہمیشہ بہت خوب صورت لگا کرتی تھی۔ ہنستے

ہوئے اس کے گالوں میں پڑے ڈمپل اس کی آنکھوں سے پھوٹتی روشنی اور اس کا شرمیلی ادا سے ہونٹ دبانا ولید کو مبہوت کردیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ سب کچھ بھول کر اس کے چہرے کو تکنے گیا۔

"تم کوئی فرمائش کر کے تو دیکھو۔" اس کا انداز پیار بھرا تھا۔

"اچھا تو ایک فرمائش ہے۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"کیا؟"

"کچھ دنوں کے لیے ناروے چلتے ہیں۔ آپ کی اپیا کے پاس انہیں منانے کے لیے۔" وہ بڑے اشتیاق سے کہہ رہی تھی۔ یہ دیکھے بغیر کہ ولید کا چہرہ اس ذکر پر بجھ سا گیا ہے۔

"دیکھیں نا ہماری شادی کو ڈھائی مہینے ہو گئے۔ اور میں ابھی تک ان سے مل ہی نہیں پائی۔ بس کچھ دنوں کے لیے لے چلیں۔ زیادہ دن نہیں لگائیں گے وہاں۔"

وہ لاڈ سے کہہ رہی تھی۔ ولید نے خاموش نظروں سے اس کے دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھا اور نظر چرا کر بولا۔

"چلیں گے۔ مگر ابھی نہیں۔ ابھی میں ذرا مصروف ہوں۔ اب تم ایسا کرو۔ ناشتا لگواؤ جا کر۔ بہت بھوک لگی ہے۔ پھر آج کے لیے کوئی اچھا سا پروگرام سیٹ کرتے ہیں۔"

اس کا انداز ایسا تھا۔ جیسے اس موضوع کو بدلنا چاہتا ہو شائنہ کو محسوس تو ہوا مگر اس نے کچھ کہا نہیں اور خاموشی سے سرہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جب کہ ولید ایک بار پھر صوفے پر لیٹ گیا۔ مگر اس بار اس نے ٹی وی آن نہیں کیا۔ بلکہ وہ چپ چاپ لیٹا چھت کو گھورتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیں تھیں۔

☼ ☼ ☼

کاشف کو صرف تین ماہ لگے تھے۔ تنہائی کی ماری احساس کمتری کا شکار اور بے حد دولت مند سارہ سے شادی کرنے میں اس کے والدین کا کچھ عرصہ پہلے ہی ایک کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوا تھا۔ اور سارہ کے حد سے زیادہ بے اعتماد ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی۔ وہ زیادہ تعلیم یافتہ بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنا اولیول بھی پورا نہیں کیا تھا۔

"اسکول میں اسٹوڈنٹس مجھے تنگ کرتے تھے۔ میرا مذاق اڑاتے تھے۔ اس لیے میں نے اسکول جانا ہی چھوڑ دیا۔"

ایک روز اس نے کاشف کو بہت سادگی سے بتایا تھا۔ وہ اس پر بہت زیادہ اعتماد کرنے لگی تھی۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کاشف نے کبھی اشارتاً بھی اس سے ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ اس کی دولت مندی سے واقف ہے۔ ابتدا میں بہت سارے دن وہ پارک میں ہی ملے تھے۔ اور کاشف سارا وقت اس سے ادھر ادھر کی باتیں دلچسپ انداز سے کرتا رہتا تھا۔ خصوصاً پاکستان کے ذکر میں سارہ کو بہت دلچسپی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ بھی اس سے کھل کر باتیں کرنے لگی اور بہت جلد ان کی دوستی ہو گئی۔ پھر ایک روز وہ اسے اپنے گھر لے کر گئی۔ اس کے بے حد خوب صورت اور شاندار گھر کو اندر سے دیکھ کر کاشف کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔ وہ اس کے اندازے سے زیادہ دولت مند تھی۔

"میری ممی کو گھر کی سجاوٹ کا بہت شوق تھا۔ یہ جتنا بھی سامان آرائش تم دیکھ رہے ہو۔ سب انہوں نے ہی مختلف ممالک سے منگوایا تھا۔"

کاشف کے گھر کی سجاوٹ کی تعریف کرنے پر اس نے بتایا تھا کاشف سرہلا کر رہ گیا۔

"تم یہاں اکیلی رہتی ہو؟"

"نہیں میرا چھوٹا بھائی بھی ساتھ رہتا ہے۔ آؤ میں تمہیں اس سے ملواتی ہوں۔"

سارہ اسے اپنے بھائی کے کمرے میں لے گئی۔ اس کے بھائی نے کاشف کو مزید حیران کیا تھا۔ وہ سارہ سے سولہ سال چھوٹا تھا اور دیکھنے میں اس سے قطعی طور پر مختلف تھا سارہ کی گہری سانولی رنگت اور معمولی نقوش کے برعکس اس کا بھائی سرخ و سفید اور بے حد خوب صورت تھا۔ مگر کاشف کو اس سے مل کر زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔ وہ جس مقصد کے لیے سارہ کی زندگی میں داخل ہوا تھا۔ اس مقصد کے پیش نظر اسے سارہ کے کسی رشتہ دار کو دیکھ کر خوش ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

"اپیا! آخر آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔" ولید کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔ شائنہ کمرے میں داخل ہوتے ہوتے بے اختیار ہی رک گئی۔ اس کا دایاں ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر جم گیا اور سماعتیں اندر سے آتی ولید کی آواز پر مرکوز ہو گئیں۔ جو غالباً فون پر بات کر رہا تھا۔

"دیکھیے! میں یہاں اسی لیے آیا ہوں اور آپ یقین رکھیں کہ سب کچھ ویسے ہی ہو گا۔ جیسا آپ چاہتی ہیں۔ بس آپ کو مجھے تھوڑا وقت دینا ہو گا۔"

وہ مزید کہہ رہا تھا۔ اور اس بار اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ بھی پہلے سے زیادہ تھی۔

"یہ اپنی اپیا سے کس طرح بات کر رہے ہیں۔" شائنہ نے حیرت سے سوچا اور آہستگی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ ولید کی چونکہ دروازے کی طرف پشت تھی۔ اس لیے وہ اسے اندر آتے نہیں دیکھ سکا۔

"نہیں نہیں آپ ابھی کیسے آسکتی ہیں۔ ابھی آپ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سارا کام منصوبے کے عین مطابق ہو رہا ہے آپ کو میری صلاحیتوں پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

ولید بول رہا تھا اور شائنہ کو اگرچہ اس کی یک طرفہ گفتگو کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ مگر اسے اتنا ضرور محسوس ہو رہا تھا کہ ولید بے حد مضطرب ہے اور دوسری طرف کی گفتگو سنتے ہوئے اس کا اضطراب مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔

"میں آپ کو صاف صاف بتا رہا ہوں کہ اگر آپ نے یہاں آنے اور معاملات میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس آجاؤں گا۔ پھر آپ جانیں اور آپ کا کام....."

بے حد سخت لہجے میں کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور تیزی سے دروازے کی جانب مڑا۔ وہاں شائنہ کو دیکھ کر وہ بری طرح سے ٹھٹک گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ جانتی ہو یوں چھپ چھپ کر دوسروں کی گفتگو سننا کتنی بری بات ہے۔" اس نے شائنہ کو بری طرح سے جھڑکا۔

"میں میں تو آپ کو کھانے کے لیے بلانے آئی تھی آپ کی گفتگو سننے نہیں۔"

شائنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ولید نے آج سے پہلے کبھی اس سے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی۔

"سوری..... سوری شانو۔" اسے روتا دیکھ کر وہ ایک دم ہی نرم پڑ گیا۔ "میری غلطی ہے۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وہ دراصل ایک دوست سے فون پر تھوڑی بحث ہو گئی تھی۔ مجھے غصہ آگیا۔ اور اسی وجہ سے میں تم سے ایسے بات کر گیا۔ ویری سوری یار..... چلو آؤ کھانا کھاتے ہیں۔"

اس کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے وہ بہت نرمی اور پیار سے کہہ رہا تھا۔

"دوست؟" شائنہ نے بے اختیار کہا۔ کیونکہ اس نے ولید کے منہ سے اپیا کا لفظ صاف سنا تھا۔

"ہاں یار! بچپن کا دوست ہے میرا۔ چلو چھوڑو اس قصے کو۔ آؤ کھانا کھاتے ہیں۔"

وہ اس کو ساتھ لے کر ڈائنگ روم کی جانب چل دیا شائنہ اس کے ساتھ چل تو پڑی۔ مگر اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔ اسے اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ولید اپنی اپیا کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو اس سے کیوں چھپا رہا ہے۔

☼ ☼ ☼

سارہ سے شادی کر لینے کے بعد کاشف اس کے کہنے پر اس کے محل نما گھر میں منتقل ہو گیا۔ اس نے اپنی جاب بھی چھوڑ دی۔ اور سارہ کے بزنس اور

جائیداد کی دیکھ بھال کرنے لگا اور اس کی جائیداد اور اثاثوں کے بارے میں جان کر وہ ایک بار پھر حیران ہوا تھا۔ وہ جتنی دولت مند تھی۔ اتنا تو کاشف نے اس کا شاندار گھر اور رکھ رکھاؤ دیکھ کر بھی تصور نہیں کیا تھا۔

سارہ اگرچہ اپنے بزنس کی دیکھ بھال خود ہی کرتی رہی تھی۔ مگر اسے اس میں نہ تو زیادہ دلچسپی تھی اور نہ ہی زیادہ سوجھ بوجھ تھی۔ اس لیے کاشف کے آتے ہی اس نے خود آفس جانا تقریباً "چھوڑ دیا تھا۔ اب اس کا زیادہ تر وقت گھر پر گزرا کرتا تھا۔ حیرت انگیز طور پر وہ نا صرف گھر کی تزئین و آرائش میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ بلکہ اس نے تقریباً" روز ہی کچن میں جا کر نت نئی ڈشز پر طبع آزمائی بھی شروع کر دی تھی۔ ایک مکمل مشرقی عورت کی طرح وہ اپنے گھر اور شوہر کا پورا پورا خیال رکھتی تھی۔ کاشف کے تمام ذاتی کام وہ اپنے ہاتھ سے کیا کرتی تھی اور جب تک وہ آفس سے واپس نہ آجاتا۔ وہ کھانا نہیں کھاتی تھی۔ کاشف کو اس کی یہ ساری خدمت گزاری ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اور نہ ہی وہ اس سے رتی بھر متاثر ہوتا تھا۔

"ہونہہ! اتنی معمولی شکل والی کو اتنا خوب صورت شوہر جو مل گیا ہے۔ خدمت کرنے کو تو اس کا اپنے آپ ہی دل کرے گا۔" وہ حقارت سے سوچا کرتا تھا۔ مگر اس بات کا خاص خیال رکھتا تھا کہ اس کی ایسی کسی سوچ کا عکس اس کے چہرے پر یا اس کے لہجے میں نظر نہ آئے۔ اس لیے بظاہر وہ نا صرف سارہ کا بلکہ اس کے چھوٹے بھائی کا بھی بے حد خیال رکھتا تھا۔ جس پر سارہ اس کی احسان مند رہتی تھی۔

چند ماہ کے اندر اندر اس کا سارا کاروبار اور جائیداد کاشف کے کنٹرول میں آچکی تھی۔ اور اس نے جہاں تک ممکن ہو سکا اس میں سے اپنا حصہ وصول کرنا شروع کر دیا اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسے سارہ کے پاپا کے زمانے سے کام کرنے والے بعض ملازمین کو فارغ بھی کرنا پڑا تھا۔ جس پر سارہ نے اگرچہ ہلکا سا احتجاج کیا تھا۔ مگر کاشف کے نرمی سے سمجھانے پر وہ اسے حق بجانب سمجھنے لگی تھی۔ اس نے اپنی ساری دولت اور جائیداد کا ایک طرح سے اسے مالک ہی بنا دیا تھا۔ اور خود گھر داری میں خوشی محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے یوں لگنے لگا تھا کہ جیسے ایک عمر کی آزمائشوں کے بعد قدرت کو اس کی تنہائی پر رحم آگیا ہے۔ جو اس نے کاشف جیسا محبت کرنے اور خیال رکھنے والا ساتھی اسے عطا کر دیا ہے۔

کاشف اس کے لیے ایک مسیحا کی طرح تھا اور وہ اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی۔ اس نے اب پاکستانی لباس پہننا شروع کر دیا تھا اور یہی نہیں وہ پاکستانی لڑکیوں والے تمام زیورات پہننا اور ان ہی کے جیسے سنگھار کرنا بھی پسند کرتی تھی۔ اسے بالکل بھی خبر نہیں تھی کہ جسے وہ اپنا مسیحا سمجھتی ہے۔ وہ اس کو زندگی کا سب سے بڑا درد دے کر جانے والا ہے۔ جسے اس نے اپنی زندگی اور اپنی خوشیوں کا رکھوالا قرار دیا ہے۔ وہ تو دراصل ایک لٹیرا ہے۔ جو اس کی زندگی بھر کے اطمینان اور سکون کو لوٹنے والا ہے۔ وہ ان ساری چیزوں سے بے خبر تھی اور بے حد خوشی سے زندگی گزار رہی تھی۔ وہ خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی سمجھتی تھی۔ جسے معمولی صورت اور بڑھتی ہوئی عمر کے باوجود اس قدر اچھا جیون ساتھی ملا تھا۔

☼ ☼ ☼

شائنہ شاپنگ کر کے گھر لوٹی تھی۔ جب ملازمہ نے اسے اس کی بھابی کے فون کی اطلاع دی۔

"تم ایسا کرو۔ گاڑی سے سارا سامان نکلوا کر کچن میں پہنچاؤ۔ اور میرے لیے ایک کپ اچھی سی چائے کا بنا کر دے جاؤ۔"

ملازمہ کو ہدایت دے کر وہ خود لابی میں چلی آئی۔

"کہاں ہو شانو! تم تو اب شکل دکھانے سے بھی گئیں۔"

اس کی آواز سنتے ہی بھابی نے شکوہ کیا تھا۔ شائنہ کو شرمندگی سی ہونے لگی۔ اسے واقعی میکے گئے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے۔ ولید ان دنوں مصروف ہی اتنا تھا

کہ اسے باہر کہیں بھی لے جا نہیں پاتا تھا اور اکیلے کہیں بھی جانا شائنہ کو پسند نہیں تھا۔ خواہ وہ جگہ اس کا میکا ہی کیوں نہ ہو۔

"سوری بھابی! وقت ہی نہیں ملا۔ ولید آج کل آفس سے ہی بہت لیٹ آتے ہیں۔"

"اچھا! آج رات کا کھانا تم دونوں ہماری طرف کھانا۔ پھر کل سے تو بقر عید کی تیاریاں شروع ہو جائیں گی۔"

بھابی نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ولید سے پوچھے بغیر وہ ایسا کوئی وعدہ نہیں کر سکتی تھی اور اس کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔"

"بھابی! میں ولید سے فون پر پوچھ لوں۔ پھر آپ کو کال بیک کرتی ہوں۔" کچھ سوچ کر اس نے بھابی سے کہا۔

"پوچھ لو۔ مگر جواب اثبات میں ہی ہونا چاہیے۔ بتا دینا اپنے ولید صاحب کو بھی کہ ہماری لڑکی پر قبضہ ہی جما کے بیٹھ گیا ہے۔"

بھابی نے دھونس جمانے والے انداز سے کہا تو شائنہ ہنس پڑی۔

"ٹھیک ہے جناب بتا دوں گی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور فون بند کر کے ولید کا نمبر ملانے لگی۔

"بیگم صاحبہ! یہ..." پیچھے سے ملازمہ کی آواز آئی تو اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ ملازمہ اس کے لیے چائے لائی ہو گی۔ مگر وہ خالی ہاتھ کھڑی تھی اور اس کے ساتھ گہری سانولی رنگت والی ایک ادھیڑ عمر عورت قیمتی لباس اور ہیروں کے زیورات پہنے کھڑی تھی۔ شائنہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اور بے اختیار ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ..." اس نے اس عورت سے پوچھنا چاہا جو بے حد عجیب اور سرد نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"ولید کہاں ہے؟ میں اس کی بہن ہوں۔ ناروے سے آئی ہوں۔"

عورت کی آواز میں بھی سرد مہری جھلک رہی تھی۔

شائنہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے اندازوں سے بالکل مختلف تھی اور دیکھنے میں کسی صورت بھی ولید کی بہن نہیں لگتی تھی۔ اسے دیکھ کر شائنہ کو صحیح معنوں میں شاک لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

شاک تو اسے بہت زور کا لگا تھا۔ اتنا شدید جھٹکا تھا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ سکی تھی۔ وہ شادی کے بعد آنے والی پہلی عید تھی۔ سارہ نے خود کو خوب سنوارا تھا۔ ہاتھوں میں مہندی لگائی تھی۔ کلائیاں بھر بھر کے کانچ کی چوڑیاں پہنی تھیں۔ خود کو جتنا سنوار سکتی تھی۔ اس نے سنوارا تھا۔ بیوٹی پارلر جا کر اچھا سا میک اپ کروایا تھا اور نہایت قیمتی لباس اور زیورات سے خود کو آراستہ کرنے کے بعد جب وہ گھر پہنچی تھی۔ تو بے حد خوش اور مسرور تھی۔ راستے میں ایک جگہ رک کر اس نے ڈھیر سارے سرخ گلاب خریدے تھے تاکہ اپنی زندگی کے ساتھی اپنے محبوب شوہر کو عید کا تحفہ دے سکے۔

"کاشف تم کدھر ہو؟"

بیڈ روم میں داخل ہو کر اس نے بہت کھنکتی ہوئی آواز میں پکارا تھا۔ لیکن اس کی آواز سننے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے پھولوں کو احتیاط سے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہی تھا۔ جب اس کی نظر وہاں موجود سفید لفافے پر پڑی۔ اس نے متجسس ہو کر وہ لفافہ اٹھا لیا۔ اسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ ابھی تین گھنٹے پہلے جب وہ گھر سے گئی تھی تو وہ لفافہ ٹیبل پر موجود نہیں تھا۔ تجسس بھرے انداز سے اس نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مگر باہر کوئی نام لکھا ہوا نظر نہیں آیا۔ تو اس نے لفافہ کھول لیا۔ اندر سے ایک نہایت مختصر خط برآمد ہوا جو اس کے نام تھا۔ بے حد حیران ہوتے ہوئے وہ خط پڑھنے لگی۔

ڈیئر سارہ!

میں تمہاری دنیا سے بہت دور جا رہا ہوں۔ ہمارا

ساتھ بس یہیں تک تھا۔ میں نے تم سے شادی صرف اور صرف دولت حاصل کرنے کے لیے کی تھی اور آٹھ ماہ میں میں اتنی دولت حاصل کر چکا ہوں کہ اب تمہارے ساتھ رہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اس لیے میں تم سے ہر رشتہ ختم کر کے یہاں سے جا رہا ہوں۔ طلاق کے پیپرز تمہیں تھوڑی دیر تک کوریئر کے ذریعے مل جائیں گے۔ تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے میری بہت ساری مشکلات کو حل کر دیا ہے۔

کاشف

پورا خط پڑھ لینے کے بعد بھی وہ ساکت کھڑی اپنی نظریں ان سطور پر جمائے ہوئے تھی۔ جنہوں نے اسے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچایا تھا۔ اسے ایک لمحے کے لیے بھی یہ گمان نہیں گزرا تھا کہ یہ خط کوئی مذاق بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے وجدان نے جیسے اسے یقین دلا دیا تھا کہ خط میں جو کچھ اسے بتایا گیا ہے۔ وہی حقیقت ہے جسے وہ بدل نہیں سکتی۔ جسے کوئی بھی بدل نہیں سکتا۔ مگر پھر بھی اس کی پتھرائی ہوئی ساکت نظریں ان قاتل حروف سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"اپیا! آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا؟"

شائنہ نماز کی ادائیگی سے فارغ ہو کر لاؤنج کی جانب آئی تھی۔ جب اس نے ولید کی ہلکی آواز سنی۔ وہ اندر جاتے جاتے رک گئی۔ کیونکہ اندر اب اپیا نہایت غصیلے انداز سے بول رہی تھیں۔

"کیوں نہیں آنا چاہیے تھا تاکہ تم میرے برسوں سے بنائے منصوبے پر پانی پھیر سکو۔"

"میں ایسا کیوں کروں گا؟" ولید اب جھنجلا رہا تھا۔

"تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ تم ایسا کیوں کرو گے۔" اپیا اب لفظ چبا چبا کر بول رہی تھیں۔

"اپیا پلیز!" اس بار ولید کے لہجے میں کمزوری صاف محسوس ہو رہی تھی۔ "آپ مجھ پر اس طرح کے شک نہ کریں۔ آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ آپ کو چاہتا ہوں۔"

"مجھے اس پر شک ہے۔" وہ دو ٹوک انداز سے بولی تھیں۔

"کیا؟" ولید کا انداز شاکڈ رہ جانے والا تھا۔

"آپ کو میری محبت پر شک ہے۔"

"ہاں۔" ان کا انداز ہنوز تھا۔

"اگر تم مجھ سے واقعی محبت کرتے ــــــ تو یہ کام اتنے دن تک لٹکا نہ رہتا۔ بلکہ اب تک تم سارا معاملہ نبٹا کر نا روے بھی پہنچ چکے ہوتے۔ مگر تم بلاوجہ اس کام کو لٹکاتے گئے اور مجبوراً مجھے یہاں آنا پڑا۔"

"آپ بالکل غلط سمجھ رہی ہیں۔ آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ میں نے اس کام میں صرف آپ کی خاطر ہاتھ ڈالا تھا اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کی مرضی کے خلاف کچھ کروں۔"

اس بار ولید کا لہجہ نرم تھا۔ جواب میں کچھ دیر اندر خاموشی چھائی رہی۔ شائنہ آہستگی سے واپس پلٹ آئی۔ اسے ان دونوں کی گفتگو میں مخل ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔ مگر کمرے میں آنے کے بعد بھی بہت دیر تک اسے ان دونوں کی گفتگو چبھتی رہی تھی۔ اور یہ صرف آج کی بات نہیں تھی۔ اپیا کو آئے ہوئے چار دن ہو گئے تھے۔ مگر شائنہ نے انہیں ایک بار بھی نارمل انداز سے بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اسے تو وہ مخاطب ہی نہیں کرتی تھیں۔ مگر ولید کے ساتھ بھی بات کرتے ہوئے ان کے انداز میں عجیب سی چبھن ہوتی تھی۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں یہاں سے وہاں تک چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ ٹوٹی ہوئی کانچ کی چوڑیاں مرجھائے ہوئے پھولوں کی پتیاں سونے چاندی اور ہیروں کے زیورات ڈھیروں ڈھیر تصویریں اور طلاق کے کاغذات جو دو روز پہلے ہی کوریئر کے ذریعے پہنچ گئے تھے۔ اور دو روز سے ہی سارہ نے خود کو کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ ... بالکل پاگلوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی تھی۔ کبھی زور زور سے ہنستی کبھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔ اور کبھی خود سے باتیں کرنے لگتی۔

"آخر میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ اس نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا۔"

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنی بے حد معمولی شکل کو دیکھتے ہوئے کراہ کر خود سے پوچھا تھا۔

"اسے دولت چاہیے تھی۔ ایک دفعہ کہہ کر تو دیکھتا۔ اپنے ہاتھوں سے سب کچھ اسے سونپ دیتی۔ اب وہ جتنا لے کر گیا ہے۔ اس سے ہزار گنا زیادہ دیتی اسے۔ مگر وہ میرے ساتھ یوں تو نہ کرتا۔ یوں تو نہ کرتا۔"

وہ زور زور سے رو رہی تھی۔

"سارا قصور میری اس معمولی شکل کا ہے۔ اگر میں خوب صورت ہوتی تو وہ کیوں مجھے چھوڑ کر جاتا۔" اس نے گلدان اٹھا کر آئینے پر مارا۔ زوردار چھناکا ہوا اور آئینہ کرچی کرچی ہو کر بکھر گیا۔

"تمہیں کوئی حق نہیں تھا۔ مجھے اس طرح برباد کرنے کا۔" وہ اب کاشف کی تصویر اٹھا کر اس سے مخاطب تھی۔

"میرے ماتھے پر یوں کلنک کا ٹیکا لگانے کا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کبھی نہیں میں تمہاری بوٹیاں کتوں کو کھلاؤں گی۔ چیلوں کووں کو کھلاؤں گی۔"

وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔ جب کسی نے بے حد ہلکی آواز میں اسے پکارا۔ اس نے بے اختیار ہی دروازے کی جانب دیکھا۔ وہاں ولید کھڑا تھا۔ اس سے سولہ سال چھوٹا اس کا اکلوتا بھائی۔ وہ بے حد سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سارہ نے بے اختیار ہی اپنے بازو پھیلا دیے۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور اس سے لپٹ گیا۔

"اپیا، اپیا! آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ اس طرح مت کریں پلیز! مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"

وہ بہت مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ اور اس کی آواز نہ جانے کیسے سارہ کے جنون کو کم کرتی جا رہی تھی۔ وہ اب بالکل خاموشی سے ولید کی پشت تھپک رہی تھی۔ اور اس کے ذہن میں خود بخود ہی ایک منصوبے کے خدوخال واضح ہو رہے تھے۔ "یہ سب اسے بھی بھگتنا ہو گا۔ اس تکلیف سے اسے بھی گزرنا ہو گا۔ جو داغ اس نے میرے ماتھے پر لگایا۔ ایک روز یہی داغ اس کی بہن کے ماتھے پر بھی لگے گا۔ اور ایسا ضرور ہو گا۔" چند منٹ کے بعد وہ سرگوشی نما انداز سے بولی تھی۔ ولید سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ جواب بے حد پرسکون نظر آ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں بے حد اعتماد اور عزم تھا۔ جو کبھی بھی اس کی شخصیت کا خاصہ نہیں رہا تھا۔

"اور یہ کام تم کرو گے ولید! تم اس کی بہن سے اس طرح منصوبہ بنا کر شادی کرو گے۔ اسے اپنی محبت کا فریب دو گے اور کسی روز اچانک ایسے ہی اسے چھوڑ دو گے۔ جیسے وہ مجھے چھوڑ کر گیا۔ ایسے ہی کسی عید والے دن جب وہ بالوں میں پھول لگائے ہاتھوں میں مہندی رچائے اور کلائیوں میں چوڑیاں پہنے تمہارے ساتھ پر مغرور ہو رہی ہو گی۔ تو ایسے ہی تم اسے چھوڑ دو گے بولو تم ایسا کرو گے نا ولید۔ بولو جواب دو۔"

وہ اب اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھی۔

ولید کا سر خود بخود ہی اثبات میں ہل گیا۔

"آپ جیسا کہیں گی۔ میں ویسا ہی کروں گا۔ بس آپ ٹھیک ہو جائیں۔"

وہ بہت محبت سے بولا تھا۔ سارہ نے پچاس گھنٹوں کے بعد خود کو ہلکا پھلکا اور مطمئن محسوس کیا تھا۔ اس کی غم و غصے سے اٹکی ہوئی سانسیں جیسے بحال ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

شائنہ کی پریشانی میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ ولید کا رویہ اپیا کے آنے کے بعد بے حد عجیب ہو گیا تھا۔ وہ گھر سے اکثر ہی غائب رہنے لگا تھا۔ بلکہ گھر کیا وہ دفتر سے بھی عموماً غائب ہی رہتا تھا۔ کئی مرتبہ جب شائنہ شام ڈھلے اس کے انتظار سے اکتا کر دفتر فون کرتی تو وہاں سے معلوم ہوتا کہ ولید صاحب تو آج دفتر آئے ہی نہیں۔ ایسے میں وہ بے تحاشا پریشان ہو جاتی۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اس مسئلے کو کس طرح حل کرے۔ کیونکہ ولید تو اس سے اب بات بھی

شاذو نادر ہی کرتا تھا۔ جب کبھی گھر میں ہوتا تو اپیا کے پاس بیٹھا رہتا یا اپنی اسٹڈی میں گھسا رہتا۔ کمرے میں تو وہ کم ہی آتا تھا۔ اگر شائنہ اس سے اس کی پریشانی اور الجھن کی وجہ پوچھتی۔ تو ٹال مٹول کرنے لگتا۔ اگر کبھی وہ اصرار کر بیٹھتی تو ڈانٹ دیتا تھا۔ شائنہ اس کے سخت لہجے سے بہت جلدی گھبرا جاتی تھی۔ کیونکہ اس نے ہمیشہ ولید کی نرمی اور پیار ہی دیکھا تھا۔

اس روز بھی وہ سارا دن غائب رہا تھا۔ شائنہ نے اس کے دفتر فون کیا۔ تو وہاں سے وہی جواب ملا۔ جو ان دنوں اکثر ہی ملا کرتا تھا۔ یعنی ولید صاحب آج دفتر آئے ہی نہیں۔ پھر شائنہ نے اس کے موبائل پر کئی بار فون کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کا موبائل بھی مسلسل آف تھا ——— وہ کتنی ہی دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی۔ مگر وہ نہیں آیا۔ اپیا اپنے کمرے میں تھیں۔ وہ زیادہ تر وہیں رہا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ اپنا کھانا بھی وہ اپنے کمرے میں ہی کھاتی تھیں۔ انہیں پاکستان آئے ہوئے بیس سے زیادہ دن ہو گئے تھے۔ مگر اس دوران میں انہوں نے ایک بار بھی شائنہ کو مخاطب نہیں کیا تھا۔ بلکہ خود مخاطب کرنا تو ایک طرف وہ اس کے بات پر بھی اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔

نو بجے کے قریب جب وہ ٹیرس پر نماز ادا کر رہی تھی۔ تب اس نے ولید کی کار کا ہارن سنا۔ مگر وہ کمرے میں نہیں آیا تو شائنہ نماز ختم کرنے کے بعد خود ہی اسٹڈی کی طرف چلی آئی۔ اسٹڈی کا دروازہ بند تھا۔ اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اس نے کمرے میں قدم رکھا تو اسے جھٹکا سا لگا۔ پورا کمرہ سگریٹ کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ اور خود ولید سیٹی پر نیم دراز آنکھیں بند کیے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ شائنہ کو بے حد حیرت ہوئی۔ کیونکہ وہ کبھی بھی سگریٹ پینے کا عادی نہیں رہا تھا۔

"ولید! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے اس نے قدرے اونچی آواز سے کہا۔ ولید نے کچھ چونک کر اپنی آنکھیں کھول دیں۔ شائنہ نے دیکھا اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔ اور ان کے گرد گہرے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا۔

"ولید! آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ کیوں اس طرح کر رہے ہیں کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے شیئر کریں۔" اس کے قریب بیٹھ کر وہ بہت عاجزی سے بولی تھی۔

"تم سے کیا شیئر کروں۔ تم کیا کر سکتی ہو۔" ولید کے لہجے میں عجیب سی بے زاری تھی۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی۔ مگر آپ کو جذباتی سہارا تو دے سکتی ہوں۔"

"شائنہ مجھے تنگ نہ کرو جاؤ یہاں سے۔" وہ پہلے سے بھی زیادہ بے زاری سے بولا تھا۔

"جب تک آپ اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتائیں گے میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" وہ فیصلہ کن انداز سے بولی تھی۔ ولید چند لمحوں تک گہری نظر سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"میری پریشانی کی وجہ تم ہو شائنہ!" اس کا لہجہ تھکن کا شکار تھا۔

"میں؟" شائنہ ہکا بکا سی اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

"ہاں تم۔"

"مگر کیسے میں نے کیا کیا ہے۔"

"یہ مت پوچھو۔" وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا۔ "یہ مت پوچھو۔" اس نے پیروں میں سلیپر پہنے اور اسٹڈی سے باہر نکل گیا۔ حیرت زدہ سی شائنہ وہیں بیٹھی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اپنے ساتھ ڈھیر ساری دولت لے کر وہ لندن چلا گیا۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد اس نے آسٹریلیا جانے کا قصد کیا۔ دولت کی کمی نہیں تھی۔ اس لیے وہ اپنی ساری خواہشات پوری کرنا چاہتا تھا۔ پوری دنیا گھومنا اس کا برسوں پرانا شوق تھا۔ جو اب بڑی آسانی سے پورا ہو رہا تھا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ اپنی

گزشتہ زندگی کے غم کو بھولنے لگا تھا۔ اپنی خوشی میں اسے ایک بار بھی سارہ کا خیال نہیں آیا۔ بے حد معمولی صورت کی وہ بے اعتماد سی لڑکی۔ جو اسے اپنا سب کچھ مان بیٹھی تھی۔ مگر خود اس کے لیے وہ زندگی کی بساط پر ایک ایسے مہرے سے بڑھ کر نہیں تھی۔ جو اسے فتح دلا سکتا تھا۔

بس اس مہرے کو ذہانت سے چلنا ضروری تھا۔ اور خود اس کے اپنے خیال میں وہ اس مہرے کو انتہائی ذہانت سے چل چکا تھا۔ اور زندگی کی بازی جیت چکا تھا۔ مگر تقدیر اس کی اس سوچ پر ہنس رہی تھی۔ وہ وقتی طور پر جیتا ضرور تھا۔ مگر درحقیقت اس کا سارا سفر شہ مات کی جانب تھا۔

سارہ کو چھوڑ کر آنے کے صرف چھ ماہ کے بعد وہ لاس اینجلس کی بے حد حسین اور تیز طرار جولی کے چنگل میں پھنس گیا۔ وہ اسے ایک نائٹ کلب میں ملی تھی اور جدید انداز کے سفید لباس اور ہیروں کے زیورات میں اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ وہ اسے دیکھ کر صحیح معنوں میں پلکیں جھپکانا بھول گیا وہ اس کے حواس پر اس قدر سوار ہو گئی کہ آنے والے دنوں میں اسے جولی کے سوا کچھ بھی یاد نہ رہا۔

وہ لاس اینجلس میں مقیم ایک مسلمان ہندوستانی کی بیٹی تھی۔ بے حد خوب صورت آزاد خیال اور ذہین۔ کاشف کو اس سے دوستی کرنے اور پھر شادی کی پیشکش کرنے میں دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ لیکن ان دنوں وہ جولی کے لیے اس قدر پاگل ہو رہا تھا کہ اس کے بغیر زندہ رہنے کا تصور ہی اسے فضول لگنے لگا تھا۔ اسے 'آمنہ' 'ماموں' 'انتقام سب کچھ بھول گیا تھا۔ اسے یاد تھی تو صرف جولی۔ اور اس کا بے پناہ حسن اس کی قاتل ادائیں۔ اگلے چار ماہ تک وہ اس کے پیچھے پھرتا رہا۔ اس نے جولی کو خوش کرنے کے لیے وہ سب کچھ کیا۔ جو اس کے امکان میں تھا۔ بالآخر وہ اس سے شادی کرنے پر رضامند ہو گئی اور کاشف جمال کی زندگی کا وہ سب سے بدقسمت لمحہ تھا۔ جب اس کا نکاح جولی سے ہوا۔

جولی نے اس سے اپنی شرائط پر باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت شادی کی تھی۔ بھاری حق مہر اور ماہانہ جیب خرچ کے علاوہ بھی اسے کافی کچھ جولی کو دینا پڑا تھا۔ مگر تب اسے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ تو صرف اسے پا لینے کے نشے میں مست تھا اور اگلے ڈیڑھ سال تک اسی نشے میں مبتلا رہا۔ حتیٰ کہ وہ دو جڑواں بیٹیوں کا باپ بن گیا اور اسے لگنے لگا کہ اب زندگی اسے کبھی نہیں آزمائے گی۔ وہ اپنے حصے کی تمام مشکلیں دیکھ چکا ہے اور اب اس کے لیے صرف آسانیاں ہی آسانیاں باقی ہیں۔

اسے پہلا دھچکا لگا جب پاکستان سے اس کی ماں کے مرنے کی خبر آئی اور جولی نے نا صرف اس کے ساتھ پاکستان جانے سے صاف انکار کر دیا۔ بلکہ اس کے پیچھے اس کے کاروبار کو دیکھنے حتیٰ کہ بچیوں کو سنبھالنے سے بھی منکر ہو گئی۔ وہ حیرت زدہ کھڑا اس کا یہ روپ دیکھتا رہا۔ وہ ان بچیوں کی ماں تھی مگر اس کا رویہ ان کے ساتھ ایسا تھا جیسے وہ اس کے پاؤں کی زنجیریں ہوں۔ وہ اپنی آزادی میں آنے والی کسی رکاوٹ کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ جولی کی شخصیت کے کئی ایسے رنگوں سے آگاہ ہونے لگا۔ جن کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ نا صرف اپنی دولت کے ایک بڑے حصے سے محروم ہو جاتا بلکہ اسے اپنی بچیوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے۔ جو وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی بیٹیوں سے بے تحاشا محبت کرتا تھا۔ اور ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی ماں کے نقش قدم پر چلیں۔

جولی اب مکمل طور پر اسے نظر انداز کرنے لگی تھی اس کا بیشتر وقت باہر گھومنے پھرنے اور نت نئے لوگوں کے ساتھ دوستیاں کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ کاشف کو اب اس کے وجود سے گھن آتی تھی۔ اسے وفا شعار اور پاک باز سارہ یاد آتی تھی۔ جسے اس نے اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا اور پھر استعمال شدہ ٹشو

کی طرح پھینک دیا۔ بعض اوقات اسے لگتا کہ اسے سارہ کی بددعا لگی ہے۔ وہ ساری ساری رات سگریٹ پھونکتا۔ اور خیالوں میں کھویا رہتا۔ حرام ذریعے سے اس نے جو بے تحاشا دولت حاصل کی تھی۔ وہی دولت اب اس کے لیے عذاب بن گئی تھی۔

اس کی بیٹیاں اب بڑی ہو رہی تھیں اور ماں کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کرتی تھیں اور وہ دن رات اس فکر میں ہلکان رہتا تھا کہ کہیں وہ اپنی ماں جیسی نہ بن جائیں۔ اس لیے وہ چاہنے کے باوجود پاکستان بھی نہیں جا پاتا تھا۔ کیونکہ جولی ویسے اپنی بیٹیوں سے چاہے ہفتہ ہفتہ بھر بات نہ کرے مگر وہ ان دونوں کو کاشف کے ساتھ پاکستان جانے کی اجازت کبھی نہیں دیتی تھی۔ ایسی ہر بات کے آغاز میں ہی وہ اتنا ہنگامہ کرنے لگتی تھی کہ کاشف کو چپ سادھنے میں ہی عافیت نظر آتی تھی۔

اس کا چھوٹا بھائی اس کے بھیجے ہوئے سرمائے سے کافی پہلے ہی اپنا کاروبار شروع کرچکا تھا اور اب پاکستان میں خوشحال زندگی گزار رہا تھا۔ اس کی ننھی بہن شائنہ بڑی ہو گئی تھی۔ مگر کاشف کو اب بھی وہ چھوٹی سی گڑیا ہی لگتی تھی۔ اسے اپنی بہن سے شدید محبت تھی۔ اس لیے جب اس کی شادی کا ذکر چھڑا تو وہ بے حد خوش بھی ہوا تھا۔ مگر جب وہ اس کی شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے نہ جاسکا تو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر اکیلے میں رویا تھا۔

اب اسے پورا یقین ہو چکا تھا کہ اسے اس کے کیے کی سزا مل رہی ہے۔ کئی بار اس کا دل چاہتا کہ وہ سارہ سے معافی مانگے مگر اسے اس کی بھی ہمت نہیں تھی۔ اس لیے بس چپ چاپ وہ اپنی سزا بھگت رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کل عید تھی۔ وہ خوشی کے عالم میں ولید اور اپیا کے کمرے کی طرف آئی تھی جہاں ولید کچھ دیر پہلے ہی گیا تھا مگر اس نے دروازے کے ہینڈل پر ابھی ہاتھ رکھا ہی تھا جب اندر سے آتی اپیا کی آواز نے اسے ساکت کردیا۔

"کل عید کا دن ہو گا اور تمہیں کل ہی شائنہ کو طلاق دینا ہو گی۔ جیسے اس کے دولت کے پجاری بھائی نے مجھے عین عید والے دن طلاق دی تھی۔"

اندر سے اپیا کی بے حد سرد آواز آرہی تھی۔ شائنہ کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اپیا اسے پسند نہیں کرتیں۔ مگر وہ اس سے اس حد تک نفرت کرتی ہوں گی۔ یہ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"اپیا! پلیز آپ کچھ روز اور انتظار کرلیں۔ ابھی ـــــ"

اندر ولید کہہ رہا تھا اور شائنہ ڈوبتے دل کے ساتھ اپنے محبوب شوہر کی آواز سن رہی تھی۔ وہ اپنی اپیا کے ساتھ تھا۔

"دیکھو ولید! تمہیں وہی کرنا ہو گا جو میں تم سے کہہ رہی ہوں تمہیں کاشف کی بہن کو عید کی صبح ہی طلاق دینا ہو گی عین عید والے دن۔ اس کے بغیر میرا انتقام پورا نہیں ہو گا میں نے برسوں اس دن کا انتظار کیا ہے۔ پلاننگ کی ہے اس کے لیے۔ میں چاہتی ہوں کاشف کی بہن بھی ویسی ہی تکلیف برداشت کرے جیسی میں نے اس کے بھائی کے ہاتھوں کی تھی۔ میرا کیا قصور تھا صرف یہ کہ میں نے اس لالچی انسان سے پیار کیا۔ اپنی ہر چیز اسے سونپ دی اور جواب میں اس نے کیا کیا وہ میری دولت پر قبضہ کرکے چوروں کی طرح بھاگ گیا اور جاتے جاتے میرے ماتھے پر طلاق کا داغ بھی لگا گیا۔"

اندر اپیا بے حد زہریلے انداز سے بول رہی تھیں۔ اور ان کا اگلا ہوا زہر باہر کھڑی شائنہ کے پورے وجود کو نیلا کرتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر وہ ہینڈل پکڑے بے جان انداز سے کھڑی رہی۔ اس کے دل کو پتا نہیں کیوں ابھی بھی خوش فہمی تھی کہ ولید اپنی اپیا کی بات نہیں مانے گا۔ وہ انہیں صاف انکار کردے گا۔ بھلا وہ اس کے بھائی کے جرم کی سزا اپنی بیوی کو کیوں دے گا۔ مگر اندر اب سناٹا چھا گیا تھا۔ شائنہ کا دل سوکھے پتے کی

طرح لرز رہا تھا۔

"ٹھیک ہے اپیا میں ـــــ"

بالآخر ولید کی آواز نے سناٹے کو توڑا تھا۔ شائنہ کو اپنا پورا وجود ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے بے اختیار ہی دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو گئی۔ ولید اور اپیا نے اسے چونک کر دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات صاف بتا رہے تھے کہ وہ سب کچھ سن چکی ہے۔ اپیا کو تو اس کے سن لینے کی کوئی پروا تھی اور نہ ہی اس کے بکھرے بکھرے ہوئے انداز پر کوئی ترس آیا تھا۔ مگر ولید ساکت نظروں سے اس کے زرد چہرے کو دیکھے جا رہا تھا۔

"آپ لوگوں نے میرے بھائی کے جرم کی جو سزا تجویز کی ہے میں اس کو قبول کرتی ہوں۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ وہ دونوں چپ بیٹھے رہے۔

"میں اس گھر سے ابھی جا رہی ہوں۔ مگر اپیا آپ اتنا ضرور سوچیے گا کہ جس نے آپ کی زندگی برباد کی جس نے آپ کو دھوکا دیا۔ وہ میرا بھائی سہی۔ مگر وہ میں نہیں تھی۔ میں نے تو کبھی آپ کو ایک برا لفظ بھی نہیں کہا۔ آپ کے بارے میں غلط سوچا تک نہیں۔"

وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ اپیا نے پہلو بدلا تھا۔ مگر شائنہ ان کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی شاکی نظریں ولید پر جمی تھیں۔ جو اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

"اور آپ بھی ذرا غور کیجیے گا۔ آپ نے بھی وہی کیا ہے۔ جو میرے بھائی نے کیا تھا۔ انہوں نے بھی پلاننگ کی اور آپ نے بھی اور میں ـــــ میں نے وہی کیا جو اپیا نے کیا تھا۔ انہوں نے میرے بھائی سے محبت کی اور میں نے آپ سے ـــــ"

اپنی بات کہہ کر وہ بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی ولید جیسے ہوش میں آیا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی کھڑے ہو کر شائنہ کو آواز دی تھی۔

"ولید! بیٹھ جاؤ جانے دو اسے۔" اپیا نے سرد آواز میں اسے ٹوکا تھا۔ وہ رک گیا۔ مگر بیٹھا نہیں چند لمحے کھڑا اپنے سے سولہ سال بڑی بہن کو دیکھتا رہا۔ جس سے وہ بے حد محبت کرتا تھا۔ جس کی آنکھوں میں آیا ہوا ایک آنسو بھی اسے بے قرار کردیا کرتا تھا اور جس کی بربادی کا انتقام لینے کے لیے اس نے کئی سال تک پلاننگ کی تھی۔ اب وہ اپنی بہن کے خلاف نہیں جا سکتا تھا۔

"آپ نے بھی وہی کیا جو میرے بھائی نے کیا تھا۔ انہوں نے بھی پلاننگ کی اور آپ نے بھی اور میں ـــــ میں نے وہی کیا جو اپیا نے کیا تھا انہوں نے میرے بھائی سے محبت کی اور میں نے آپ سے۔"

شائنہ کی روتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔ اپیا کا طلسم اچانک ہی ٹوٹنے لگا تھا۔ وہ بے چین ہو گیا۔

"ولید بیٹھ جاؤ۔" اپیا کا انداز تحکمانہ تھا۔ ولید نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی۔ پھر دھیرے سے بولا۔

"سوری اپیا! میں آپ کی بات نہیں مان سکتا۔"

"مطلب تم یہاں میرے پاس بیٹھو گے نہیں۔" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔ مگر وہ گویا سن ہی نہیں رہا تھا۔

"میں شائنہ کو طلاق نہیں دوں گا۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے وہ تو بہت معصوم ہے۔ بہت نازک دل کی مالک ہے۔ میں اس کا دل کیسے توڑ سکتا ہوں۔"

وہ جیسے کسی ٹرانس میں تھا۔ اپیا حیرت زدہ سی ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں صحیح کہہ رہا ہوں میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"تو مجھے چھوڑ سکتے ہو؟" انہوں نے جوا کھیلا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا۔ پھر نرمی سے بولا۔

"میں آپ کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر آپ کا انتقام پورا کرنے کے لیے اس لڑکی کو جیتے جی نہیں مار سکتا جو مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے۔ اور صرف وہی نہیں اپیا! میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔ بہت زیادہ محبت کرتا